بعون اللہ سبحانہ وتوفیقہ

کتاب

# دُرِ باہرہ

ترجمۃ الحصۃ الاولیٰ من

# الحجج القاہرہ

مترجمہ

حجۃ الاسلام مولانا سید فیض حسین صاحب قبلہ

ناشر:

ادارہ دار الشفاء

ماہنامہ صدائے جعفر حیدرآباد

بعون اللہ سبحانہ وتوفیقہ

کتاب

# دُرِّ باہرہ

ترجمۃ الجہت الاولیٰ من

# مُحج القاہرہ

مترجمہ

حُجّۃ الاسلام مولانا سید فیض حسین صاحب قبلہ

ناشر:

ادارہ
ماہنامہ
صدائے جعفر
دارالشفاء
حیدرآباد

باسمہ سبحانہٗ

نام کتاب : دُررِ باہرہ

ترجمہ : نجم القاہرہ

طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار

بلاک سازی : فیمس بلاکس منڈی میر عالم .....

سرورق مرزا خدا قلی بیگ اعجاز

تاریخ اشاعت : ۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ

مطابق

۲ر مارچ ۱۹۸۶ء

ملنے کا پتہ

ادارہ ماہ نامہ صدائے جعفریہ

محلہ دارالشفاء مکان 325-8-22

حیدرآباد پن کوڈ نمبر (500024)

آندھرا پردیش ۔ انڈیا

قیمت ۱۵ پندرہ روپے

علاوہ محصول ڈاک

# تعارف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَاللَّعْنَۃُ الدَّائِمَۃُ عَلٰی اَعْدَائِہِمْ اَجْمَعِیْنَ ۔

یہ کتاب دُرَرِ باہرہ ترجمہ حصہ اولیٰ حجج القاہرہ مولفہ فخرالمحدثین، سندالمتکلمین مولانا مولوی السید مظہر علی خاں اعلیٰ اللہ مقامہ ہے ۔

حجۃ الاسلام مولٰنا سید مظہر علی خاں صاحب فرزند نواب محمد خاں تھے اور وہ فرزند اکبر تھے نواب سید محمد معصوم شہاب جنگ کے جو فرزند دوم تھے سید کاظم رضوی ابن سید محمد سعید ابن سید جعفر نیشاپوری ابن سید محمد ابن سید محمد درویش کے جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے چودھویں پشت میں واقع ہوئے تھے ۔ مولٰنا مولوی سید مظہر علی خاں صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی تھی، اساتذہ کون تھے، اس عظیم الشان و بے نظیر کتاب کے علاوہ اور کون کونسی تالیفات و تصنیفات ان کی تھیں، نہیں معلوم کس عمر میں انتقال فرمایا نہیں معلوم ۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ کو بلدہ حیدر آباد میں انتقال فرمایا ۔

مشارٌ الیہ کے خاندانی حالات پر دو کتابیں نظر سے گذریں ایک یادگار معصومی اور دوسری گلشنِ جعفری، ان دونوں کتابوں میں خاندان کے نوابوں، جاگیرداروں اور دنیاداروں کے تذکرے بڑے ہی لطف و فخر کے ساتھ جزدیات پر نظر رکھتے ہوئے کئے گئے ہیں جن کو بادِ فنا کے جھونکوں نے ایسا ملیامیٹ کردیا کہ قبروں کے نشان بھی باقی نہیں، اگر کسی کے ہیں تو فاتحہ دینے والا کوئی نہیں اور فاتحہ دینے والا ہو تو بھی بجز ادائی رسم کے حقیقت نہیں ۔ مگر حضرت سید مظہر علی خاںؒ کے حالات میں ایک دو سطریں بھی ان کے

مولفین کو لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ جن کی علمی و روحانی عظمت کا یہ عالم تھا کہ جب حجج القاہرہ کا اصلی قلمی نسخہ حجۃ الاسلام مولانا مولوی سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی نے تمام رکمال ملاحظہ فرمایا تو اس پر اپنے قلم سے ایک تبصرہ تحریر فرمایا جو بہت ہی تفصیلی ہے اس تبصرہ کا ایک جملہ یہ بھی تھا کہ "اگر یہ کتاب طبع ہو جائے تو لوگ احقاق الحق (مولفہ شہید ثالثؒ) کو بھول جائیں اور دنیائے تشیع میں ایک زلزلہ سا آجائے۔

یہ قلمی کتاب جو بڑی تقطیع کے تقریباً (۱۵۰۰) صفحات پر بہ زبان عربی لکھی گئی تھی، اس حقیر کے ہاں محفوظ تھی ایک روز حجۃ الاسلام آقا سید علی رضا ریحان یزدی طہرانی بغرض فاتحہ خوانی دائرہ حضرت میر مومنؒ میں آئے ہوئے تھے اس وقت مجھ سے ملاقات فرمائی جبکہ میں قبر حضرت سید مظہر علی خاں صاحبؒ پر فاتحہ خوانی میں مصروف تھا۔ مجھ سے دریافت کیا کہ صاحب قبر کون تھے میں نے ان کا تعارف کرواتے ہوئے یہ بھی کہا کہ حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ نے جن کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور مرحوم نے اپنی حیات ہی میں یہ تبلادیا تھا۔ آپ کی مولفہ کتاب حجج القاہرہ میرے ہاں محفوظ ہے۔ آقا ریحان نے اس کے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ پھر میرے ہمراہ غریب خانہ پر تشریف لائے کتاب دیکھ کر ایک رات کے لئے مستعار دینے کی خواہش کی اور لے گئے۔ دوسرے دن تقریباً دس بجے کتاب کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ رات بھر تقریباً وہ مطالعہ کرتے رہے۔ حیرت ہے کہ جاگیردار گھرانہ کی ایک فرد جس نے عراق و ایران کی درسگاہوں میں تعلیم بھی حاصل نہیں کی تھی۔ کتنی ہزار عربی، فارسی کتب کا مطالعہ کیا ہوگا کہ ایسی بے عدیل و معرکتہ الاراء کتاب لکھ سکے۔ افسوس ہے کہ ان کے انتقال کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود اس کی طباعت کا انتظام نہ ہو سکا۔

پھر انہوں نے کہا کہ "کتاب پڑھتے پڑھتے رات کے پچھلے حصہ میں میری آنکھ جو لگی تو دیکھا کہ ایک سید بزرگوار سبز عمامہ پہنے ہوئے بلند قامت بہت ہی حسین و نورانی شکل و صورت کے میرے قریب آئے اور فرمایا کہ آقا اس کتاب کی طباعت کرادو۔ میں نے (آقائے ریحانی)

نے جواب دیا کہ میں کوشش کروں گا۔ اس پر پھر انہوں نے کہا کہ آپ اگر کوشش کریں تو اس کی طباعت کا انتظام ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ تا حدِ امکان میں کوشش کروں گا۔ یہ سن کر وہ ایک کمسن بچہ کو گودی میں لے کر چلے گئے۔

اس کے بعد آقائے ریحان مدظلہٗ نے فرمایا کہ یہ کتاب اگر میں ان کے حوالے کر دوں تو ایران میں اس کی طباعت کا بندوبست کریں گے۔ میں نے کہا کہ میں نہیں دے سکتا۔ اس کتاب کے وارث میرے ایک عزیز جناب سید محمد ہادی صاحب فرزند مولانا سید فیض حسین صاحب مرحوم ہیں۔ ان سے استمزاج کرنے کے بعد کوئی جواب دے سکوں گا۔ عند الملاقات برادرِ عزیز القدر سید محمد ہادی صاحب نے خوشی سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور میں نے اس کی اطلاع آقائے ریحانی مدظلہٗ کو دے دی۔ اس واقعہ کو کم و بیش پندرہ ۱۵ سال ہوتے ہیں۔ اس اثناء میں جب آقا صاحب موصوف ایران سے حیدرآباد آئے تو حجج القاہرہ کی طباعت سے متعلق میں نے دریافت کیا جس پر موصوف نے جواب دیا کہ کام ہو رہا ہے اب تک کتاب کا باب منعہ طبع ہو چکا ہے اور دوسرے حصوں کی طباعت کا کام جاری ہے۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ اس کتاب کا کیا حشر ہوا مطبوعہ حصہ بھی باوجود وعدہ کرنے کے آقا صاحب موصوف نے نہیں دکھایا۔ عرصہ ہوا کہ انقلابِ ایران کے بعد آقائے ریحان مدظلہٗ حیدرآباد آنا بھی ترک کر چکے ہیں جبکہ سال میں (۶) ماہ وہ یہیں رہتے تھے۔ خدا کرے کہ موصوف نے جیسا کہ وعدہ فرمایا تھا طباعت کا کام جاری ہے یا مکمل ہو گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ بہ طفیل حضرتِ حجت ابنِ حسن عجل اللہ تعالیٰ فرجہ اس کتاب کو تلف ہونے سے بچالے۔

کتاب کی عظمت خود اس کے مقدمہ کے ترجمہ ہی کے مطالعہ سے ظاہر و باہر ہو گی۔

مولانا سید مظہر علی خاں صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کی کوئی نرینہ اولاد باقی نہ تھی۔ صرف (۳) صاحبزادیاں یادگار چھوڑی تھیں۔

(۱) کلثوم بیگم (۲) امتہ المرضا بیگم عرف صدر النساء بیگم (۳) چھوٹی بیگم عرف امیر النساء بیگم

کلثوم بیگم کی شادی میر ہدایت علی الحسینی برادر حکیم سید اعظم الحسینی سے ہوئی اور لاولد فوت ہوئیں۔

امتہ الرضا بیگم عرف صدر النساء بیگم کی شادی میر قربان علی تعلقدار سے ہوئی ان سے ایک فرزند میر دادر علی اور ایک دختر شمس النساء بیگم پیدا ہوئے۔

بعد رحلت چھوٹی بیگم عرف امیر النساء بیگم میر قائم حسین صاحب جنا گند جوبجگر سے شمس النساء بیگم کی شادی ہوئی۔ ان سے ایک فرزند میر زین العابدین (لاولد فوت) اور اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔

(۱) صدر النساء بیگم (لاولد فوت)

(۲) حسینی بیگم جو میر تراب علی خاں مہتمم پولیس سے منسوب ہوئیں۔ ان سے چار فرزند میر ہاشم علی خاں میر اقبال علی خاں، میر کاظم علی خاں نامقل، میر ہادی علی خاں اور ایک دختر سیدہ بیگم پیدا ہوئے اور ماشاء اللہ یہ سب صاحب اولاد ہیں۔

(۳) شمس النساء بیگم کی تیسری لڑکی منیر النساء بیگم تھیں جو سید مظفر حسینی صاحب کے چوتھے فرزند سید سجاد نواز حسین صاحب کے ساتھ بیاہی گئیں مگر افسوس کہ لاولد فوت ہوئیں۔

امتہ الرضا بیگم عرف صدر النساء بیگم کا انتقال ہوا تو میت سونپی گئی جو عرصہ دراز کے بعد کربلا ہمعلی لیجائی گئی۔ جب جنازہ کا وہاں صندوق کھولا گیا تو فضاء خوشبو سے معطر ہوگئی۔ خواتین نے کفن سرکا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ مثل نو عروس آرام کر رہی ہیں۔ اور آنکھیں کھول کر کبھی ادھر کبھی ادھر دیکھ رہی ہیں۔ اس کیفیت کا چرچا فوراً کربلا ہمعلی میں ہوگیا۔ علماء و مجتہدین کی بی بیاں بھی زیارت کے لئے چلی آئیں۔ اور اپنے اپنے گھر جا کر مطلع کیا اس پر ایک کتاب مرتب ہوئی اور علماء کرام نے ان گواہیوں کی شہادت دی تھی کہ آیت اللہ عظمیٰ آقا شیخ زین العابدین مازندرانی نے بھی تصدیق فرما کر دستخط و مہر سے دستاویز کو مزین فرمایا۔

نوٹ: (یہ دستاویز محفوظ ہے)

مولانا سید مظہر علی خاں صاحب کی چھوٹی صاحبزادی چھوٹی بیگم عرف امیر النساء بیگم تھیں جن کی شادی میر قائم حسین صاحب منصبدار و جاگیردار مقیم بھونگیر سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک فرزند مولانا مولوی سید نفیس حسین صاحب (صاحب تصانیف و تالیفات کثیرہ) اور دو دختر زہرا یاور بیگم اور مریم بیگم پیدا ہوئے۔ زہرا یاور بیگم کی شادی میر عنایت حسین فرزند میر محمد مہدی عرف امانی میاں دوم تعلقدار سے ہوئی۔ جن سے (۳) فرزند ایک سید محمد عرف احمد جان دوسرے سید مرتضیٰ حسین، تیسرے سید مہدی حسن اور ایک دختر فخر النساء بیگم وجود میں آئے۔ مریم بیگم کی شادی حسین علی خاں، فرزند وزیر علی خاں جاگیردار سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک دختر امیر النساء بیگم اور ایک فرزند ذوالفقار علی خاں پیدا ہوئے

امیر النساء بیگم، علی رضا فرزند سجاد علی دوم تعلقدار سے منسوب ہوئیں۔

ذوالفقار علی خاں صاحب سررشتہ تعلیمات میں نائب ناظم کے عہدہ سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ ذوالفقار علی خاں کے فرزند مظہر علی خاں مقیم امریکہ ہیں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت میں کافی مالی تعاون کیا۔ اور (۴) بیٹیاں ہیں جو ماشاء اللہ سب کی سب صاحبِ اولاد ہیں۔

مولانا مولوی سید مظہر علی خاں صاحب نہایت درجہ متقی و پرہیزگار اور زاہد ترین عصر تھے ایک روز اپنی نیک نفس وہم خیال بی بی سے فرمایا کہ بیگم صاحبہ میں نے اپنے سارے دشمنوں سے بفضلِ ایزدی چھٹکارا پالیا ہے مگر ایک دشمن ابھی ایسا باقی ہے کہ مجھ کو رات میں چین سے سونے نہیں دیتا ہے گھر میں عفونت پھیلائے ہوئے ہے اور اس کا دفعیہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ نیک بخت بی بی نے دریافت کیا کہ وہ کون دشمن ہے۔ آپ کی خاطر میں محلوں کی رہائش کو چھوڑ کر صحن خانہ میں جھونپڑی میں بسر کر رہی ہوں۔ اب آپ کا اگر ایسا دشمن ہے جو میرے ذریعہ دور ہو سکتا ہے تو میں اس کو ضرور دور کر دوں گی۔ فرمایا کہ بیگم صاحبہ آپ کے ہاں جو سونا ہے اس کو مستحقین میں تقسیم کر دو تو چین سے سو سکوں،

دوسرے دن نیک دل بی بی نے سارا سونا جو مقدار میں بہت زیادہ تھا، مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

انتقال سے ایک ہفتہ قبل اپنی اہلیہ محترمہ سے کہا کہ آئندہ پنجشنبہ کو میں انتقال کر جاؤں گا۔ کفن تیار ہے۔ قبر دائرہ حضرت میر مومنؒ میں بنوالی گئی ہے۔ بعد غسل و کفن میت پر نمازِ جنازہ کوئی نہیں پڑھنا۔ زوجۂ محترمہ نے کہا کہ کیا بغیر نمازِ جنازہ میت دفن کر دی جائے۔ کہا کہ نہیں زمانہ کے مالک و مختار نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔ چنانچہ جب انتقال ہوا جنازہ بعد غسل و کفن مقررہ چبوترہ پر رکھا گیا۔ حاضرین کثرت سے موجود تھے جن میں آپ کے شاگردِ رشید مولانا مولوی محمد علی صاحب قبلہ نجفیؒ۔ مولانا مرزا مہدی اقبالؒ وغیرہ سب تھے۔ لوگوں پر کچھ غفلت طاری ہوئی جب صدائے اِنّا لِلّٰہ سنی تو چونکے اور ایک نور تھا جو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عجل اللہ فرجہ تشریف لائے۔ نماز پڑھی اور چلے گئے۔

مترجم کتاب ہٰذا مولانا مولوی سید فیض حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ مقیم مونگیر ہیں جو مولفِ حجج القاہرہ مولانا مولوی سید مظہر علی خاں صاحب کی تیسری صاحبزادی، چھوٹی بیگم عرف امیر النساء بیگم صاحبہ کے صاحبزادہ ہیں جن کی تاریخ ولادت شعبان ۱۲۷۷ھ ہے امیر النساء بیگم کا عقد سید قاسم حسین صاحب ولد میر فدوی علی خاں سے ہوا۔

آپ کی شادی آپ کے چچا سید منتظر حسین صاحب کی لڑکی زہرا نواز بیگم سے ہوئی۔ جن سے فرزند سید محمد ہادی اور ایک دختر عابدہ بیگم پیدا ہوئے۔ عابدہ بیگم کی شادی سید محمد باقر فرزند سید احمد نواز حسین جو سید منتظر حسین کے بڑے فرزند تھے، سے ہوئی جنہیں (۴) فرزند، (۱) سید وسیم عباس (۲) سید علیم عباس (۳) سید فہیم عباس (۴) سید سلیم عباس اور ایک دختر کنیز عباس زوجۂ رضا حسین پیدا ہوئے۔

سید محمد ہادی کی شادی سلطانہ بیگم دختر سید زور آور حسین مہتمم لوکلفنڈ سے ہوئی

ان کو ایک فرزند سید فیض حسین اور ایک دختر سکینہ سلطانہ زوجہ سید فہیم عباس ہیں۔

یہ سب بچے بحمد اللہ، ذی علم اور دیندار ہیں۔

مولانا سید فیض حسین صاحب قبلہ اپنے نانا مولانا سید مظہر علی خاں صاحب کے صحیح وارث و جانشین تھے۔

زندگی کا بیشتر حصہ اپنے وطن بھونگیر ہی میں گذارا۔ اپنے خاندان کے سارے مرد و خواتین کو ہر ہفتہ مذہبیات کا درس دیتے تھے۔ نتیجتاً خاندان کے کم و بیش سارے افراد (ذکور و اناث) مسائل عامۃ البلوی سے بہت بڑی حد تک واقف تھے۔ قرآن، تفسیر، تاریخ اسلام میں درک رکھتے تھے۔ خود اس حقیر کی والدہ محترمہ امیر النساء بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ جو مولانا کے رشتہ کے چچا جناب میر منور علی صاحب مرحوم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں، مولانا سے قرآن، تفسیر، رسالہ علامہ حلیؒ، تبصرۃ المتعلمین، نہج البلاغہ اور عین الیقین علامہ مجلسیؒ وغیرہ کا درس حاصل کی ہوئی تھیں۔

مولانا سید فیض حسین صاحب قبلہ سے جب کبھی مداحوں اور مخلصین کا تقاضہ ہوتا کہ آپ حیدرآباد میں سکونت اختیار فرمائیں تو عامۃ المومنین کو افادہ کا زیادہ موقع ملتا تو فرماتے کہ حیدرآباد میں علماء اور بھی ہیں، میرے خاندان کے افراد میرے جانے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ صلۂ رحم کا تقاضہ ہے کہ میں اپنے خاندان ہی میں رہوں۔

مولانا کی عام مرجعیت کا یہ عالم تھا کہ بھونگیر کا دُور دُور تک چرچا تھا۔ ہندو، پارسی عیسائی اور ہر فرقہ کے مسلمان اپنے اپنے مقدمات لے کر حاضر ہوتے اور ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کے مذہب سے ہوتا۔ فریقین راضی خوشی لوٹتے۔ کسی کو مولانا کے فیصلہ سے اختلاف نہ ہوتا۔

نمازِ جمعہ و جماعت میں عیدین اپنے گھر پر پڑھاتے اور یہ گھر حقیقت میں دارالشرعیہ کے حکم میں تھا۔ نمازِ جماعت کی ترتیب ایسی ہوتی کہ مکبّر کی بائیں طرف جماعت قائم ہوتی اور

دائیں طرف کا حصہ خالی رہتا۔ نو وارد حضرات کو پہلے ہی بتا دیا جاتا کہ دائیں طرف نہ کھڑے ہوں۔ بزرگوں کا خیال ہے کہ دائیں طرف جماعت میں جنات شریک ہوا کرتے تھے۔ اور اس کی وضاحت میں کچھ شواہد بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ کثرت مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے کام میں انہماک کے نتیجہ میں آخر عمر میں بینائی میں فرق آگیا تھا جس کے سبب آتشین شیشہ کی مدد سے مطالعہ فرماتے۔ آپ کی تالیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انتہا الافہام فی جواب استیعاب الکلام (فارسی) مولانا سید حامد حسین قبلہ رحؒ کی کتاب استقصا الافحام کی تردید میں کسی سنی عالم نے استیعاب الکلام لکھی تھی جس کا شکست جواب (۲۵۰) صفحات میں دیا گیا۔ یہ کتاب ۱۳۱۰ھ میں لکھنؤ میں چھپی۔

(۲) تنبیہ المخالفین فی جواب امہات المومنین پادری ڈاکٹر احمد شاہ شائق کا جواب کثرت ازواج رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جواب میں۔ یہ کتاب (۳۰۴) صفحات پر مشتمل ہے اور حیدر آباد ۱۳۱۷ھ میں طبع ہوئی۔

(۳) ہدایتہ المومنین ترجمہ تبصرۃ المتعلمین۔ مولفہ جمال الدین حسن بن یوسف بن مطہر المعروف بہ علامہ حلیؒ جس میں سات ہزار فقہی مسائل ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۰۷ھ میں پہلی بار حیدر آباد میں طبع ہوئی۔ پھر اس کے بیسیوں اڈیشن حیدر آباد، کشمیر، لاہور اور کراچی میں اب تک چھپ رہے ہیں۔

(۴) ضیاء العین فی تاریخ الحسینؑ (۳) جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد جو (۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہے حالات امام حسین علیہ السلام خلقت نور سے ۶۰ھ تک یہ کتاب محرم ۱۳۲۳ھ میں بلدہ حیدر آباد میں طبع ہوئی۔

(۵) ضیاء العین فی تاریخ الحسینؑ جلد دوم غیر مطبوعہ۔ جس میں حالات حضرت امام حسین علیہ السلام ترک وطن سے شہادت تک درج ہیں۔ یہ کتاب (۸۰۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ میں اس کی تحریر مکمل ہوئی۔

(۶) ضیاء العین فی تاریخ الحسینؑ جلد سوم غیر مطبوعہ اس میں بعد شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام مفصل حالات (۲۶۱) پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب ۳۰ ربیع الثانیہ ۱۳۳۹ھ مکمل ہوئی۔ (۷) تحقیقات رفیعہ فی رد تحقیق مذہب شیعہ ۱۳۳۳ھ میں طبع ہوئی۔ (۸) الزہراء (۹) الہادی فی جواب المہدی (۱۰) تحفۃ النصارا (۱۱) تحفۃ المنصفین، (۱۲) عین الیقین فی رد المضلین (۱۳) دُرر باہرہ ترجمہ نجم القاہرہ (۱۴) معلم و متعلم کی افہام و تفہیم کی غرض سے رسالہ علم منطق (۱۵) طومار (نوحہ جات فرد۔ (۱۶) مخزن الجواہر (چہاردہ معصومین علیہم السلام کی شان میں قصائد کا مجموعہ) اس کے علاوہ بہت سی تالیفات بزمانہ پولیس ایکشن ۱۹۴۸ء میں نقل مقام کرنے میں تلف و ضائع ہوگئیں۔ جس حد معلومات بہم پہونچ سکے درج کر دیئے گئے تاکہ محفوظ ہو جائے اور آئندہ نسلوں کے علم میں آئے۔

مولانا اعلیٰ اللہ مقامہٗ بیمار ہو کر حیدرآباد آئے یہاں بھی علاج وغیرہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ جب حالت متغیر ہوئی، علماء اور خاندان کے سارے افراد جمع تھے۔ سید الفقہاء مولانا ابوالحسن میرن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ بیان فرماتے تھے کہ ہمارے مولوی صاحب (یعنی مولانا سید فیض حسین صاحب) کا سر میری آغوش میں تھا کہ مولوی صاحب نے کلمہ پڑھنے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کیا پھر سیدۃ عالمیان۔ امیرالمومنین اور امام حسن علیہم السلام پر سلام عرض کیا۔ اس کے بعد کہا کہ میری کتاب جو میری جز دان میں ہے، وہ فوراً لاؤ۔ آقا حسینؑ کو نذر دینی ہے۔ کتاب آنے تک ان کی خواہش پر ان کو اٹھا کر بٹھایا گیا۔ کتاب آئی، آنکھیں بند ہی تھیں۔ کتاب کو اپنے ہاتھ میں لے کر پیش کیا۔ موجودہ حاضرین نے دیکھا کہ کسی نے کتاب کو ہاتھ سے لے کر پہلو میں رکھ دیا اور مولانا کی روح پرواز کر گئی۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

انتقال ۱۵ محرم ۱۳۴۱ھ کی صبح کو ہوا۔ چونکہ انتقال بیرون بلدہ ہوا تھا اور اس وقت کے قانون کے اعتبار سے اندرون بلدہ میت کے لانے پر امتناع تھا۔ لہٰذا

غسل مسجدِ کمیلہ بیرون یاقوت پورہ میں دیا گیا۔ اور تدفینِ میّت خاندانی قبرستان واقع متصل الاوۂ بی بی بیرون دبیر پورہ وقت عصر عمل میں آئی۔ قبرِ مبارک پر حسبِ ذیل قطعۂ تاریخِ وفات پتھر پر کندہ ہے۔

کی فیض حسین فرد نے رحلت جس دم
سرکارِ حسینؑ لینے آئے اُس دم
کم کردیں عدد چراغ سے چار
صد حیف بجھا چراغِ عالمؔ

---

الاقل
سید تقی حسن وفاؔ ابنِ مرحوم و مغفور سید محمود حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ
۳۲۵-۸-۲۲ محلۂ دار الشفاء حیدرآباد دکن
موسس و مدیر جامعۂ جعفریہ و ماہنامہ صدائے جعفریہ
یکشنبہ ۱۲ رصفر ۱۴۰۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء بمقام بھونگیر

باسمہٖ سبحانہ

الحمدللہ مومنین واقف ہیں کہ مدرسۂ جعفریہ جنوبی ہند کی وسیع درسگاہ ہے۔ مرکزی مدرسہ اندرون عمارت دارالشفاء حیدرآباد کے علاوہ حسب تفصیل ذیل شہر کے مختلف محلوں میں (۲۱) اور آندھراپردیش کے مختلف علاقوں میں (۴۵) شاخیں قائم ہوچکی ہیں مستقبل قریب میں کئی اور شاخوں کے امکانات روشن ہوچکے ہیں۔ صرف وقت کا انتظار ہے۔ موجودہ منصوبہ کے تحت خیال ہے کہ سابق حیدرآباد کے علاقہ کرناٹک اور مرہٹواڑہ کے علاقوں میں جہاں (۱۰ تا ۱۵) طلباء یا طالبات ہوں مدرسہ کی شاخ قائم کی جائے۔

مدرسۂ جعفریہ کی مختلف شاخوں میں طلباء و طالبات (۵۲۵۰) زیر تعلیم ہیں ان شاخوں میں ۳ تا ۴ مدرسین و معلمات درس دیتے ہیں۔ بعض شاخوں میں جہاں تعداد کم ہے وہاں ایک مدرس کافی سمجھا گیا۔ لیکن ضرورت پڑنے پر مدرسین کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

مدرسہ کی شاخ سے مراد ایک مدرسی مدرسہ نہیں بلکہ تعدادِ طلباء کے لحاظ سے مدرسین مقرر کئے جاتے ہیں۔ یہ شاخ بجائے خود ایک مستقل اکائی ہے۔ اس وقت مدرسہ میں (۶۶) مراکزِ درس ہیں۔ اگر ایک مدرسی مدرسہ متصور ہوتا تو مدرسہ کی (۱۷۹) شاخیں ہوتیں کیونکہ مرکزی مدرسہ اور اس کی شاخیں ۶۶ مراکزِ درس ہیں جن میں (۱۷۹) مدرسین درس دیتے ہیں۔ مدرسین اور معلمات کے علاوہ چار و بس کشش طلباء طالبات کو لانے لیجانے کے لئے ایک کارکن کا انتظام کیا گیا ہے۔

مرکزی مدرسہ میں اس وقت تین کارکن کام کر رہے ہیں، نیز مختلف اسمات

کے اسکول کی نگرانی (۸)، انسپکٹر آف اسکول کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

مرکزی مدرسہ جعفریہ اور اس کی ان شاخوں میں طلباء کی مجموعی تعداد، (۵۲۵۰) ہے۔ مدرسہ میں طلباء سے کوئی فیس نہیں لی جاتی، درسی کتب بھی مدرسہ فراہم کرتا ہے۔ مرکزی کتب خانہ جعفریہ، مدرسہ کا ایک دینی کتب خانہ ہے جس میں ۱۴ ہزار سے زائد کتب اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کی موجود ہیں۔ یہ کتب خانہ (۲۵) شعبوں میں منقسم ہے۔

مطالعہ کے اوقات ۵ تا ۸ ساعت شب مقرر ہیں۔

اس کتب خانہ پر (۳) افراد پر مشتمل عملہ متعین ہے۔ کتب خانہ جعفریہ کی تقریباً ساری کتب عطیہ ہیں جن میں بعض کتب کمیاب ہیں۔ ماہ نامہ "صدائے جعفریہ" مدرسہ سے ایک ماہ نامہ بنام "صدائے جعفریہ (۹) سال سے بہ پابندی شائع ہوتا ہے۔ جس کا سالانہ چندہ (۱۲) روپے ہے۔

---

# ادارۂ ماہنامہ صدائے جعفریہ میں حسب ذیل کتب موجود ہیں

۱۔ تہذیب اسلام: سارے امور زندگی مطابق احکام اسلامی پیدائش سے وفات تک۔ مولفہ علامہ مجلسی۔ قیمت (۲۵) روپے

۲۔ حیدرآباد کی عزاداری: دکن کی سات سو سالہ عزاداری کی مستند و معتبر تاریخ۔ (۲۰۲) تصاویر کے ساتھ قیمت (۲۵) روپے

۳۔ شمس الظلام: بارھویں امام علیہ السلام کے مکمل و معتبر حالات۔ احادیث و تاریخ کی روشنی میں۔ ملاقات کرنے والوں کی تفصیلات۔ معجزہ وغیرہ۔ قیمت (۲۵) روپے۔

۴۔ چراغ ہدایت: مولفہ مرزا بہادر علی صاحبؒ، مطابق فتوائے اعلم وقت حضرت آقا سید ابو القاسم خوئی مدظلہ، عبادات میں نہایت جامع کتاب ـ قیمت ۵ روپے

۵۔ حج: مطابق فتاوی اعلم وقت آقائے خوئی مدظلہ۔ حج کرنے والوں کے لئے بہترین رہبر۔ قیمت ۵ روپے



ملنے کا پتہ

پرنسپل مدرسہ جعفریہ ۔ ۲۲ ۔ ۸ ۔ ۳۲۵

دارالشفاء حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ العظیم المنان والصلوٰۃ والسلام علےٰ محمد عبد الانس والجان وعلےٰ

آلہ حجج الرحمان۔

بندہ حقیر فیض الحسین بن میر قاسم حسین خدمت میں ارباب عقل وانصاف کے۔

عرض کرتا ہے کہ جب کتاب مستطاب حجج قاہرہ کہ عمدہ مصنفات سے میرے جد مادری

اعنی فخر المحدثین وسند المتکلمین جناب مولانا مولوی السید مظہر علی خان بہادر اعلی اللہ مقامہ

کے ہے بندہ نے مطالعہ کی اوس کو نادرۂ روزگار اور عمدۂ اعصار سے پایا۔ جدّ مرحوم نے

ثبوت امامت وافضلیت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اور تحقیق میں دوسرے

امور کثیرہ کے بہت سی حدیثیں کتب صحاح ومعتبرہ اہل سنت وجماعت سے اس کتاب

لاجواب میں نقل فرمائی ہیں۔ جدّ مرحوم کے پاس بہت کتابیں موجود تھیں جو حدیث اس

کتاب میں ہے بغیر اپنی تحقیق وتفتیش کے نقل نہیں فرمائی ہے اور بغیر اپنے ملاحظہ کے

اوسے نہیں لکھا ہے چنانچہ یہ امر اہل تتبع پر ملاحظہ سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔ گویا ایک

دریا نہرہائے کثیرہ سے جمع کر کے کوزہ میں بند کیا ہے اور جواہر بے بہائے بے انتہا معدنہائے

متفرقہ سے استنباط کر کے ایک صندوق میں آراستہ فرمایا ہے! المختصر جب اس کتاب کو

تصنیف فرما چکے تو کئی سال کے بعد سولویں ۱۶ کو ذیحجہ کی سنہ ۱۲۶۱ ھجری میں دار فانی دنیا سے

طرف عالم باقی کے رحلت فرمائی۔ بعد انتقالِ مصنّف اعلیٰ اللہ مقامہ یہ کتاب یوں ہی رکھی ہوئی تھی چونکہ مرحوم موصوف نے اس کتاب کو زبانِ عربی میں تصنیف فرمایا ہے اور فہم عربی ہر شخص سے ممکن نہیں عوام اوس کے سمجھنے سے محروم اور اوس کے استفادہ سے مایوس تھے۔ لہٰذا اس خادم الطلبہ نے بنظرِ تحصیل ثواب اور بہ قصد افادہ جملہ مومنین و مسلمین زبانِ اردو میں اس کتاب مستطاب کا ترجمہ لکھنا شروع کیا ہے اور یہ رعایت رکھی ہے کہ اردو بالکل صاف اور سہل ہو تا عام کے فہم میں آ سکے اور جہاں کہیں شرح و تفصیل کی ضرورت ہوی ہے وہاں دو خط مثل قوس کے کھینچ کر ان میں اپنی طرف سے شرح لکھی ہے۔

امید او سبحانہ تعالےٰ سے یہ ہے کہ اس بندہ کو ایسی توفیق عطا فرمائے کہ بخیر و خوبی اس ترجمہ کو تمام کروں اور خطا اور غلطی سے محفوظ رہوں اور او سبحانہ تعالےٰ اس کتاب سے سب مسلمانوں کو فائدہ مند اور مستفیض کرے اور اس بندہ گنہگار پر اپنا رحم فرمائے اور سب خطاؤں اور لغزشوں سے درگزرے بحق محمد سید المرسلین و آلہ الطاہرین صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم القدیر وھو حسبی و نعم النصیر۔

## شروع ترجمہ

مصنّفِ کتاب اعلیٰ اللہ مقامہ بعد حمد و نعت کے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ مختصرہ نافعہ ہے جس میں، میں نے بعض ان احادیثِ صحیحہ و معتبرہ اہلِ سنّت کو نقل کیا ہے جن سے میں خود واقف اور مطلع ہوں اور وہ احادیث۔ روایات شیعہ کے موافق اور احادیثِ امامیہ کے مطابق ہیں اور اس تحریر سے میرا قصد یہ ہے کہ دین خاتم الانبیاءؐ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید ہو اور ان حضرت سے امید رکھتا ہوں کہ اسے قبول فرمائیں اور اس رسالہ کو میں نے ناحیہ مقدسہ مہدویہ علی ساکنہ السلام والتحیہ کا تحفہ گردانا ہے اور خدا تعالےٰ سے امید رکھتا ہوں کہ حضرت کی رویت مبارک سے مجھے اور میرے فرزند سعید کو مشرف فرمائے اور آپ کے ساتھ رجعت میں شہادت کی سعادت سے مشرف کرے برحمتہ وکرمہ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ اور اس کتاب میں پانچ حجتیں اور ایک خاتمہ ہے۔

## فہرست کتاب ہذا

دوسری حجۃ اثبات میں اس امر کے ہے کہ وضو میں دونوں پاؤں پر مسح کرنا چاہیے۔ اس میں کئی بحثیں ہیں۔ پہلی بحث بیان میں مسائل نحویہ کے ہے جو متعلق ہیں آیہ وضو سے۔ دوسری بحث تحقیق میں روایات اہل سنت کے ہے جو رجلین سے متعلق ہیں۔ تیسری بحث رفع شبہات میں ہے جو متعلق ہیں روایات شیعہ سے اور اس میں چند روایتیں شیعوں کی جو مسح پا میں وارد ہیں نقل کی گئی ہیں۔

تیسری حجۃ بیان میں ان روایات کے ہے جو نماز سے متعلق ہیں۔

اس میں کئی براہین ہیں۔ پہلی برہان بیان میں اوقات نماز کے ہے۔

دوسری برہان اس بیان میں ہے کہ نماز پڑھنا حصیر پر سنت ہے۔ تیسری برہان ثبوت میں اس امر کے ہے کہ حضرت عمر نے اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کو شریک کیا۔ اور حی علے خیر العمل کہنا جو اذان میں سنت تھا اوسے ساقط کیا۔ چوتھی برہان اثبات میں اس امر کے ہے کہ نماز میں دو امر مسنون کو حضرت عثمان نے ترک کیا

یعنے تکبیرات اور رفع یدین۔ پانچویں برہان نماز میں ہاتھ کھلے رکھنے کے اثبات میں۔ چھٹی برہان بیان میں ان امور کے ہے جو متعلق ہیں قرأت نماز سے اور اوس میں کئی الزام امام ابو حنیفہ صاحب وغیرہ پر ہیں۔

پہلا الزام اثبات میں اس امر کے ہے کہ نماز میں سورۂ حمد پڑھنا واجب ہے اور ابو حنیفہ صاحب ایک آیت کی قرأت کو کافی جانتے ہیں۔ دوسرا الزام اثبات میں اس امر کے ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورے کا جزو ہے تیسرا الزام اثبات میں جہر تسمیہ کے ہے چوتھا الزام اس بیان میں ہے کہ ابو حنیفہ صاحب نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنا بھی جائز جانتے ہیں ساتویں برہان اثبات میں قنوت کے ہے آٹھویں برہان تشہد اور سلام اور تعقیب بہ تکبیر بعد ہر نماز اور تسبیح جناب سیدہ علیہا السلام اور وجہ تسمیہ اہل سنت و جماعت کے بیان میں اور بیان میں اس امر کے ہے کہ معاویہ نے جمعہ کی نماز ہفتہ کے دن پڑھی اور کسی نے انکار نہ کیا اور اس میں تقیہ کا بیان بھی ہے نویں برہان اثبات میں اس امر کے ہے کہ بعض صحابہ نے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز کو ضائع کیا اور سنتوں کو ترک کیا اور اوس میں بدعتیں کیں۔

پہلی حجت اوس میں کئی سیوف ہیں۔ پہلی سیف ذکر میں امام ابو حنیفہ اور اون کے دونوں شاگردوں کے لئے۔ دوسری سیف ذکر میں مالک و بخاری وغیرہما کے اور ان کی قدح میں ہے۔ تیسری سیف اس بیان میں ہے کہ بعض مخالفین نے تائید مذہب میں حدیث کا وضع کرنا جائز جانا ہے اور یہ لوگ حدیثوں میں بہت اختلاف رکھتے ہیں اور صحیح و موضوعہ میں فرق نہیں کر سکتے اور بعض نے حدیث متواتر کو موضوع کہا ہے اور اس میں تنبیہ ہے۔ تحقیق میں حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ

کے چوتھی سیف ابطال میں اس امر کے ہے جو کہتے ہیں کہ آیہ انما ولیکم اللہ شان میں
حضرت ابوبکر کے ہے ۔ پانچویں سیف ابطال میں ان دو روایتوں کے ہے جو منقول
ہیں کہ آیہ تطہیر شان میں ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے اور اس میں بعض وہ
روایتیں اہل سنت کی نقل کی گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن میں کمی ہوئی ہے ۔
چھٹی سیف ابطال میں اس روایت کے ہے جو مشعر ہے کہ قولہ تعالے صالح المومنین
حضرت ابوبکر و عمر کے شان میں ہے ساتویں سیف ابطال میں اس امر کے ہے جو کہتے
ہیں کہ قول حق تعالیٰ و صدق بہ حضرت ابوبکر کی شان میں ہے ۔ آٹھویں سیف
ابطال میں اوس امر کے ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیہ ومن اتبعک من المومنین شان
میں حضرت عمر کے ہے نویں سیف ابطال میں اس قول کے ہے جو کہتے ہیں کہ آیہ
ام یحسدون للناس شان میں حضرت ابوبکر و عمر کے نازل ہوا ہے ۔ دسویں سیف
اُس میں تین لمعہ ہیں ۔ لمعہ پہلا ابطال میں ان روایات موضوعہ کے ہے جو مشعر ہیں کہ
حضرت ابوبکر و عمر افضل الناس ہیں دوسرا لمعہ ذکر میں ان احادیث کے ہے جو روایات
سابقہ کے معارض و مبطل ہیں اور دلالت کرتے ہیں اس امر پر کہ حضرت علی علیہ السلام
افضل صحابہ ہیں اور اس میں آیات و روایات اور حدیث مواخات ورد شمس و
حدیث ندا ہے ۔ تیسرا لمعہ اثبات میں اس امر کے ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام بعد
حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل خلائق ہیں اور اس میں بھی آیتیں اور
روایتیں اور حدیث طیر وغیرہ ہے ۔ گیارہویں سیف اس میں دو لمعہ ہیں پہلا لمعہ
ابطال میں اُن روایات موضوعہ کے ہے جو نص ہیں خلافت حضرات شیوخ ثلثہ پر
دوسرا لمعہ بیان میں نصوص خلافت بلا فصل حضرت امیر علیہ السلام و خلافت

ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے ہے اور اس میں ذکر مہدی موعود علیہ السلام کا ہے۔

بارویں سیف اثبات میں سلطنت مہدی علیہ السلام و بیان رجعت میں ہے۔ تیرویں سیف البطال میں اس روایت کے ہے جو مشعر ہے کہ حضرت ابوبکر سب سے پہلے ایمان لائے ہیں چودویں سیف بیان میں حدیث سدّ الواب کے ہے پندرویں سیف ذکر میں ارسال سورہ برات کے ہے سولویں سیف البطال میں روایت، لوکنت متخذ اخلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا کے ہے سترّویں (۱۷) سیف البطال ان روایات کے ہے جو مشعر ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور عمر فاروق ہیں۔ اٹھارویں سیف البطال میں کثرت علم حضرت ابوبکر و عمر کے ہے اور ۲۱ ہیں کچھ بیان حضرت امیر علیہ السلام کے علم کا ہے۔ انیسویں سیف البطال میں اس روایت موضوعہ کے ہے جو مشعر ہے کہ ابوبکر پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ بیسویں سیف البطال میں ان روایتوں کے جو مظہر ہیں کہ ابوبکر و عمر قیامت میں بعض فضائل سے مختص ہوں گے۔ اکیسویں سیف البطال میں ان روایات کے ہے جن سے ظاہر ہے کہ عمر حق کے ساتھ ہیں اور بیان ہیں انحراف حضرت عمر کے حق سے اور اس میں ذکر تزویج حضرت اُم کلثوم و تزویج حضرت سیدہ علیہا سلام ہے۔ بائیسویں سیف البطال روایات فضیلت حضرت ابوبکر و عمر کے ہے تیئسویں سیف البطال میں وجوب محبت شیوخ ثلثہ کے ہے چوبیسویں سیف البطال اس روایت کے ہے جو مظہر ہے کہ حضرت عمر اہل بہشت سے ہیں پچیسویں سیف البطال میں اس روایت کے ہیں جو مظہر ہے کہ حضرت عثمان اور کل اہل بدر کو کوئی فسق مضر نہیں کرتا۔

چھبیسویں سیف البطال ان روایت الخلافۃ بعدی ثلثون سنتہً کے ہے اور اس

میں ذکر صلح امام حسن علیہ السلام و صلح حدیبیہ ہے اور یہ ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک میں جناب امیر علیہ السلام کو خلیفہ کر گئے اور کچھ حال امام حسین علیہ السلام کا بھی ہے۔ ستائیسویں سیف ابطال حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کے ہے اور اس میں بعض مطاعن حضرت عثمان اور وہ روایتیں ہیں جو مظہر ہیں کہ بعض غیر صحابہ بعض صحابہ سے افضل ہیں۔ اٹھائیسویں سیف فضیلت معاویہ کے ابطال میں ہے۔ انتیسویں سیف وضعیت میں روایت کلینی یا حمیرا کے ہے۔ تیسویں سیف ابطال میں اس روایت کے ہے جو مظہر ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کے پیشاب کیا۔ اکتیسویں سیف اثبات وضعیت میں روایت فضیلت خلفائے بنی عباس کے ہے۔ بتیسویں سیف ابطال میں اون روایت کے ہے جو مشعر ہے کہ لہو ولعب اور ناچنا اور گانا مباح ہے۔ تینتیسویں سیف اس بیان میں ہے کہ بعض صحابہ جھوٹی حدیث بیان کرتے تھے اور یزید نے حسب وصیت معاویہ اہل مدینہ کو قتل کیا۔ چونتیسویں سیف بیان میں ان روایات موضوعہ کے ہے جو مظہر ہیں کہ حق تعالیٰ کے جسم ہے۔ پینتیسویں سیف ذکر میں ان احادیث کے ہے جو باہم معارض ہیں اور جمع بین الحدیثین ممکن نہیں خاتم الحجۃ ذکر میں دو روایات شیعہ کے ہے۔

چوتھی تحفہ بیان میں متعہ کے ہے اس میں تین مطلب ہیں اور ایک فائدہ ہے۔ پہلا مطلب ذکر میں آیہ متعہ اور اون احادیث کے ہے جو مظہر ہیں کہ متعہ مباح ہے اور منسوخ نہیں ہوا۔ دوسرا مطلب اثبات وضعیف میں روایات تحریم متعہ کے ہیں۔ تیسرا مطلب رد میں اقوال امام رازی و علامہ نیشاپوری کے ہے۔

فائدہ تفسیر میں آیہ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم کے ہے۔

پانچویں حجۃ متعۃ الحج میں ہے اس میں دو مقصد ہیں۔ پہلا مقصد متعۃ الحج کی تعریف میں اور اس بیان میں ہے کہ اوس کا وجوب تا ابد باقی ہے دوسرا مقصد دفع شبہات میں مخالفین کے ہے۔

خاتمہ فوائد متفرقہ میں ہے اس میں کئی اشارے ہیں پہلا اشارہ اس بیان میں ہے کہ متعۃ الحج میں بعض صحابہ نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کیا۔ دوسرا اشارہ بیان خوف میں ان حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے مخالفت سے اصحاب کی اور انکار قلوب سے ان کے۔ تیسرا اشارہ اس بیان میں ہے کہ اکثر اصحاب حضرتؐ کے پیچھے سے نماز توڑ کے لہو اور تجارت کی طرف چلے گئے۔ چوتھا اشارہ اس بیان میں ہے کہ بعض صحابہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم غنائم میں طعن کرتے تھے۔ پانچواں اشارہ اس بیان میں ہے کہ بعض صحابہ نے لیلۃ الاحزاب میں حضرت کا حکم نہ مانا۔ چھٹا اشارہ اس بیان میں ہے کہ بعض صحابہ نے صلح حدیبیہ میں حضرتؐ کے حکم کی اطاعت نہ کی۔ ساتواں اشارہ ذکر جنبہ بر ستعبہ میں ہے۔ آٹھواں اشارہ اس بیان میں ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین صحابہ پر لعنت کی ہے اور بعض صحابہ نے لشکر اسامہ سے تخلف کیا ہے۔

نواں اشارہ حدیث قرطاس و ثقلین اور جہالات حضرت ابوبکر و عمر و علم علی علیہ السلام کے بیان میں اور اس بیان میں ہے کہ علم و عصمت شروط امامت سے ہیں اور شرط ہے کہ امام جمیع ما یحتاج امت کا عالم ہو اور یہ تینوں شرطیں خلفائے ثلثہ میں نہ تھیں اور اون میں بعض نصوص امامت حضرت امیرؑ اور بعض محدثات حضرت عثمان بھی مذکور ہیں)

دسواں اشارہ حدیث فدک میں ہے ۔ گیارواں اشارہ اس بیان میں ہے کہ عمر نے اہل بیتؑ سے خمس کو منع کیا ۔ بارواں اشارہ ذکر میں ان آیات و احادیث کے ہے جو بعض صحابہ کی شان میں ہیں ان میں سے حدیث حوض بھی ہے ۔

پس جو منصف عاقل اس کتاب کو ملاحظہ کرے اس پر پوشیدہ نہ ہوگا کہ اول اس کتاب کا آخر سے اور آخر اول سے اور بعض اس کا بعض سے بہتر ہے پس چاہیے کہ طالبین حق اس کتاب سے غافل نہ رہیں کہ اس میں بہت سے فائدے ہیں ۔ اب میں ذکر مطالب شروع کرتا ہوں پس کہتا ہوں کہ

## شروع مطالب کتاب

دوسری حجۃ اثبات مسح پا میں ہے اس میں تین بحثیں ہیں ۔

پہلی بحث مسائل نحویہ میں ہے جو متعلق ہیں آیہ یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق و امسحوا برؤسکم و ارجلکم الی الکعبین سے یعنے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب کھڑے ہو تم نماز کے لئے تو دھوؤ تم منھ کو اپنے اور ہاتوں کو اپنے کہنیوں سمیت اور مسح کرو تم سروں کو اپنے اور پاؤں کو اپنے کعبین تک

تفسیر کبیر میں فخر رازی کہتے ہیں کہ ابن کثیر اور حمزہ اور ابو عمر نے اور عاصم نے بہ روایت ابی بکر وَ اَرْجُلِکُم کو جر بمبنی حرکت زیر سے پڑھا ہے اور نافع اور ابن عامر اور کسائی نے اور عاصم نے بروایت حفص نصب سے پڑھا ہے تمام ہوا قول رازی کا ۔

اور شیخ ابوجعفر طوسی قدس اللہ روحہ کتاب تہذیب الاحکام میں فرماتے ہیں بدرستیکہ قرائت نصب اس لفظ میں جائز نہیں ہے قرائت منزلہ یعنے جو خداوند عالم نے نازل فرمائی ہے اس لفظ میں (یعنے وارجلکم میں) وہ قرائت جر سے ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے قول شیخ (یعنے مفیدؒ) ایدہ اللہ تعالے کا کہ خبر دی انہوں نے مجھے اور سند پہونچائی غالب بن ہذیل تک وہ کہتا ہے کہ میں نے سوال کیا ابوجعفر یعنے محمد باقر علیہ السلام سے کہ قول حق تعالے اعنی وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین میں ارجلکم آیا جر سے ہے یا نصب سے آپ نے فرمایا جر سے ہے

اس سے ثابت ہوا کہ قرائت جر فریقین میں متفق علیہا ہے اور قرائت نصب مختلف فیہا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا تو جاننا چاہئے کہ جو لوگ بغیر اہلبیت علیہم السلام کے اور لوگوں کی پیروی کرکے کہتے ہیں کہ وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہے (یعنے اہل سنت) ان کا بیان ہے کہ :۔

## اقوالِ اہلِ سنّت

اگر ارجلکم میں لام کو جر ہو تو بہ سبب اس کے ہے کہ عطف ارجلکم کا برؤسکم پر ہے مگر یہاں معنے مسح کے دھونے کے ہیں چنانچہ کہتے ہیں تمسحت للصلوٰۃ یعنے مسح کیا میں نے واسطے نماز کے اعنی وضو کیا میں نے۔ اور کہتے ہیں مسح اللہ ما بک یعنے دور کرے تجھ سے خدا مرض کو اور کہتے ہیں مسح الارض المطر یعنے مسح کیا زمین کو بارش نے۔ اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ برؤسکم میں مسح بمعنیٰ مسح کے ہے اور

ارجلکم میں وہی مسح معنی میں دھونے کے ہے۔

اور بعض علماء ان کے کہتے ہیں کہ جب ہم نے مسح کو برؤسکم میں حقیقت پر حمل کیا اور ارجلکم میں مجاز پر تو اجتماع حقیقت و مجاز لازم ہوگا اور یہ ممنوع ہے اس لئے ہم ایک لفظ وامسحوا کو ارجلکم سے پہلے مقدر مانیں گے پس جب لفظ متعدد ہوئے تو معنی بھی متعدد جائز ہیں اور یہ قسم اقسام سے جمع بین الحقیقت والمجاز کے جائز ہے جیسے آیہ لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتیٰ تعلموا ما تقولون ولا جنبا الا عابری سبیل میں ہے اور ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ نزدیک نہ جاؤ تم نماز کے اس حالت میں کہ نشے میں ہو یہاں تک کہ جانو تم کہ کیا کہتے ہو اور نہ حالت جنب میں مگر عبور کرنے والے راستے کے (یعنی سفر میں) اس لئے کہ لفظ صلوۃ اس آیت میں معطوف علیہ میں محمول ہے حقیقت پر یعنے اس سے نماز مراد ہے۔ اور معطوف میں محمول ہے مجاز پر یعنے اس سے مسجد مراد ہے کہ وہ مقام صلوۃ ہے اور یہی مذہب ایک جماعت مفسرین کا ہے۔

اور ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ تحدید مغسول میں آئی ہے اور ممسوح میں نہیں آئی۔ پس جب آیہ وضو میں مسح میں بھی تحدید وارد ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں مسح سے مراد دھونا ہے۔ بہ سبب موافقت تحدید کے۔

اور بعض علما ان کے کہتے ہیں کہ ارجلکم کا جر بہ سبب قرب وجوار کے ہے۔ (یعنے چونکہ یہ لفظ برؤسکم کے نزدیک ہے اس لئے اس کو بھی جر سے پڑھتے ہیں)۔

(جیسا کہ عرب کہتا ہے جحرُ ضبٍ خربٍ (یعنے سوراخ سوسمار کا خراب ہے) اور خراب ہونا صفات سے سوراخ کے ہے نہ سوسمار کے۔ اور امرؤ القیس

شاعر نے کہا ہے :۔ کأنّ ثبیرًا فی عرانین وبلہٖ۔ کبیر اناسٍ فی بجادٍ مزمّلٍ۔

(یعنی گویا کوہ مکہ اوائل بارش میں ایک مرد پیر ہے کہ ردائے منقش اوڑھے ہوئے ہے)

اور مزمل صفات کبیر سے ہے نہ صفات بجاد سے۔ اور اس پر کئی مثالیں اشعار سے

دی ہیں۔ چنانچہ اعشیٰ کہتا ہے ؎ لقد کان فی حولٍ (یعنی اقامۃ ۱۲) ثواءٍ ثویتہ تقضّیٰ

لبانات ویسام سائم (یعنے ایک سال ایک اقامت میں کہ میں مقیم تھا حاجتیں بر لائی جاتی

تھیں اور رنج کرنے والے رنج کرتے تھے)

اور اخفش کہتا ہے کہ ارجلکم معطوف ہے برؤسکم پر لفظ میں مگر معنے

میں اس سے مقطوع ہے جیسے بعض اشعار میں واقع ہے اور اس میں سے قول اعرابی ہے۔

ع :۔ علفتہا تبناً وماءً بارداً (معنے یہ ہیں کہ کھلائی میں نے اونٹ کو گھانس اور پلایا

میں نے آب سرد)۔ یہاں تک تو توجیہیں قرائت جر کی تھیں۔

اور قرائت نصب میں پس وہ کہتے ہیں کہ ارجلکم معطوف ہے ایدیکم

پر اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہائے زمانہ کا عمل پاؤں کے دھونے پر ہے نہ مسح پر۔

یہاں اقوال اہلِ سنت کے تمام ہوئے۔

## اقوالِ امامیہ

اور وہ لوگ جو وجوب مسح پا کے قائل ہیں (یعنے امامیہ اثنا عشریہ)

---

سلہ ثبیر بروزن فعیل کوہیست در مکہ و عرانین جمع عرنین مراد ازاں اوائل

وبل بمعنی بارش شدید و بجاد بمعنی چادر منقش ۱۲۔

## اقوالِ امامیہ

پس وہ حمل کرتے ہیں جر اور نصب کو ارجلکم میں ظاہر پر اور مثل مخالفین کے بے راہ نہیں چلتے۔ پس کہتے ہیں کہ جر اس لئے ہے کہ عطف ہے برؤسکم پر اور اگر نصب ہو تو عطف ہو گا محل جار مجرور پر یعنے محل برؤسکم پر اس لئے رؤسکم موضع نصب پر ہے اس واسطے کہ فعل مسح رؤس پر واقع ہوا ہے۔ (یعنے حقیقت میں رؤسکم وامسحوا کا مفعول یہ ہے) اور برؤسکم کو جو زیر ہے وہ (ب) کے سبب سے ہے۔ اور ارجلکم کے عطف کا موضع برؤسکم پر کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ محل پر عطف کرنا عرب میں مشہور اور کلام عرب میں مستعمل ہے اور مثالیں اس کی بے انتہا ہیں چنانچہ کہتے ہیں لیس فلانٌ بقائم ولا ذاہبا (ذاہبا کا عطف بقائم کے محل پر ہے کیونکہ بقائم محل میں خبر لیسَ کے ہے اور وہ منصوب ہوتی ہے اس لئے ذاہبا منصوب ہے)

اور شاعر کہتا ہے۔

معاوی اننا بشرٌ فاسجح ۔۔۔ فلسنا بالجبال ولا الحدیدا

(یعنے اے معاویہ ہم آدمی ہیں ہم سے نرم رفتاری کر۔ پس ہم پہاڑ اور فولاد نہیں ہیں۔ یہاں الحدید امنصوب ہے اور معطوف ہے محل بالجبال پر کہ وہ محلاً جز لسنا کی ہے)

اور تابط شرا کا قول ہے ؎ ھل انت باعث دینار لحاجتنا ام عبد ربٍّ اخا عون بن مخراق پس عبد منصوب ہے بسبب عطف کے اوپر محل دینار کے کیونکہ دینار معناً منصوب ہے (اس لئے کہ باعث کہ اسم فاعل ہے دینار کا عامل ہے۔

اور دنیا اس کا مفعول ہے محلاً اگرچہ لفظاً مضاف الیہ ہے ) اور اس سے بعید تر قول شاعر ہے سہ جنی بمثل بنی برد لقومہم ۔ اور مثل اخوۃ منظور بن سیّار ( یعنے لا تو مثل بنی برد کو واسطے ان کی قوم کے با مثل برادران منظور بن سیّار کے ) پس ہر گاہ معنے جنی کے معات اور احضر لی ہوں ( یعنے لا تو ) تو عطف نصب پر ہو گا محلاً و معنیً ۔ اور قائلین وجوب غسلِ پانے جو توجیہیں وجہ جر و نصب میں بیان کی ہیں امامیہ نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں ہم انہیں بطریق اختصار بیان کرتے ہیں ۔

پس امامیہ کہتے ہیں کہ جو اوّلاً اہلِ سنت نے بیان کیا ہے کہ مراد مسح سے دہونا ہے پس یہ قول دو وجہ سے باطل ہے ۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ فائدہ دو لفظوں کا لغت اور شرع میں مختلف ہوتا ہے اور حق تعالیٰ نے اعضائے مغسولہ اور اعضائے ممسوحہ میں فرق کیا ہے پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ معنیٰ غسل اور مسح کے ایک ہوں ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر گاہ ارجل کا عطف رؤس پر ہوا اور بلا خلاف رؤس میں مسح کرنا فرض ہے ایسا مسح جو غیر غسل ہے تو واجب ہو گا کہ ارجل میں بھی یہی حکم ہو ۔ اس واسطے کہ حقیقت عطف اسی امر کی مقتضی ہے اس لیئے کہ معطوف حکم میں معطوف علیہ کے ہوتا ہے اجماعاً ، اور وہ جو قول تمسحت للصلوٰۃ سے دلیل لاتے اس کا جواب یہ ہے کہ جب قائل نے چاہا کہ ایک لفظ مختصر سے وضو کی خبر دے اس وقت میں ..... تغسلت للصلوٰۃ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں غسل سے مشابہت ہوتی ہے اور اگر کہے تغسّلت و تمسحت للصلوٰۃ تو کلام میں طول ہوتا ہے اس لئے کہا تمسحت للصلوٰۃ کیونکہ وضو میں مسح بھی ہے پس قائل نے لفظ مسح کو تجویز کیا واسطے اختصار اور ظہور مطلب کے

پس اس قول سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس نے مسح کو اسمائے غسل سے قرار دیا ہو۔ کذا فی مجمع البیان اس مقام پر مصنف ارشاد فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ وضو میں دو دھونے اور دو مسح کرنے کو فرض کیا ہے اور اتمام وضو کو مسح پر قرار دیا پس اگر کوئی چاہے کہ وضو کی خبر دے تو لفظ مسح اولیٰ ہے غسل سے اس لئے کہ منہ اور ہاتھ دھونا کبھی بغیر وضو کے بھی ہوتا ہے مثل پاکیزہ کرنے یا سرد کرنے کے۔ مگر مسح سر و پا بغیر وضو کے بعد دھونے ہاتھ اور منہ کے عادت میں نہیں ہے۔ اور بغیر وضو کوئی عبث مسح نہیں کرتا۔ اسی لئے وضو کی خبر دینے میں لفظ مسح کی تخصیص کی اور کہا تمسحت للصلوٰۃ۔ اور اگر کوئی شخص فقط منہ اور ہاتھ دھوتے اور سر و پا کا مسح نہ کرے تو اسے جائز نہیں کہ تمسحت للصلواۃ کہتے۔ پس یہ قول بھی دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ وضو بغیر مسح رجلین کے نہیں ہوسکتا اور یہ بداہتہً ظاہر ہے۔

اور وہ جو دوسری مثالوں سے دلیل لائے ہیں تو بغرض صحت نقل۔ ہر گز ان میں مسح بمعنے غسل نہیں ہے۔ پس مثال اول یعنے مسح اللّٰہ ما بک میں مراد مسح سے ازالہ ہے یعنے دور کرنا نہ دھونا۔ اور ازالہ کبھی مسح سے بھی ہوتا ہے خصوص ازالہ مرض کیونکہ مسح اس کے لئے اولیٰ ہے۔ اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بیمار کے پاس تشریف لائے اور دست مبارک سے اس کے سر کو مسح فرمایا پس وہ بیمار اسی وقت اچھا ہو گیا۔ اور مرض اس کا بسبب حضرت کے ہاتھ پھیرنے کے بالکل زائل ہو گیا اور ایضاً روایت میں وارد ہے کہ ازالہ مرض کے لئے دعا پڑھتے ہوئے بیمار کے جسم پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔ پس بالجملہ فقرہ مذکور میں کوئی دلالت واسطے صحت

حمل مسح کے معنی غسل پر نہیں ہے اس واسطے کہ ازالہ ہرگز مترادف غسل کا نہیں ہے اور مرض زائل ہوتا ہے دھویا نہیں جاتا اور غسل پانی سے دھونے کو کہتے ہیں کہ پانی پہنچا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے شر کو زائل کیا یا پوشیدگی کو زائل کیا یا تناقض کو زائل کیا اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس نے ان چیزوں کو دھویا — اور —

**دوسری مثال مسح الارض المطر** پس جب عرب چاہتا ہے کہ کمی بارش کی خبر دے تو کہتا ہے مسح الارض المطر یعنے بارش خفیف ایسی ہوئی گویا زمین کو مسح کیا اس لئے کہ مسح باب وہ ہے کہ محل کو تر کر دے —

اور وہ جو کہتے ہیں کہ ایک لفظ وامسحوا۔ بارجلکم سے پہلے مقدر ماننا چاہئے مثل آیہ لاتقربوا الصلوٰۃ کے جیسے بعض مفسرین اس میں تقدیر کے قائل ہیں۔ پس اس کے کئی جواب ہیں اول یہ کہ ہم نے کہہ دیا ہے کہ مسح غسل کے معنوں میں نہیں آیا ہے پس اگر کسی کو دعویٰ ہو تو اس پر لازم ہے کہ دلیل مستقیم پیش کرے ورنہ قول اس کا قابلِ اعتبار نہیں۔ اور کسی عرب نے خوب کہا ہے۔

ثبت العرش ثم النقش (یعنے پہلے تخت کو ثابت کر لے پھر نقش کرنا)

دوسرے یہ کہ اول ایک لفظ مسح کو پہلے وارجلکم کے مقدر ماننا کہ تعدد لفظ حاصل ہو۔ اور پھر مسح کو دھونے پر مجازاً حمل کرنا باوجود صحت حمل کے معنی حقیقی پر بالکل بے راہ چلنا اور تاویل بعید کرنا ہے اور ایسی تاویلیں ہرگز جائز نہیں ہیں مگر اس اس وقت کہ ظاہر معنی پر حمل کرنا محال ہو اور اس سے کوئی قباحت لازم آتی ہو جیسا کہ آیہ لاتقربوا الصلوٰۃ میں ہے۔

اس لئے کہ اگر ہم لفظ صلوٰۃ کو معطوف میں حقیقت پر حمل کریں تو یہ لازم آئیگا کہ جنابت میں مسافر کو بغیر طہارت کے نماز پڑھنا جائز ہوا اور یہ خلاف شرع ہے اس لئے بعض مفسرین کو اس کی تاویل کرنے کی ضرورت ہوئی اور اس آیت کے معنوں میں دو قول ہیں اوّل جو مروی ہے حضرت امیر علیہ السلام اور ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر اور مجاہد سے یعنی نہ پڑھو تم نماز کو حالت جنابت میں مگر جس وقت کہ مسافر ہو پس سفر میں نماز پڑھنا تیمم سے جائز ہے ہر چند حکم جنابت مرتفع نہیں ہوتا ہے کیونکہ تیمم سے ہر چند نماز صحیح ہے مگر رفع حدث نہیں ہوتا (بنا بر اس قول کے تاویل کرنا یعنی صلوٰۃ سے محل صلوٰۃ مراد لینا ضرور نہیں ہے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہ جاؤ تم نزدیک محل صلوٰۃ کے یعنی مسجد میں یعنے نہ ٹھہرو تو مسجد میں حالت جنابت میں مگر گذرنا جائز ہے۔ اور یہ قول ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہما السلام اور جابر اور حسن بصری اور زہری سے منقول ہے پس یہ تاویل (یعنے صلوٰۃ سے محل صلوٰۃ مراد لینا) ایسے اقوال سے جس میں ائمہ علیہم السلام سے نص وارد ہے اور آیہ وضو میں ایسا کوئی امر نہیں ہے۔ پس آیہ وضو کو ایسے قول پر حمل کرنا جائز نہیں اس واسطے ظاہر سے عدول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (مترجم کہتا ہے کہ آیت لاتقربوا الصلوٰۃ کی تفسیر میں حضرت امیرؑ کے قول سے دوسرے ائمہ علیہم السلام کا قول جو ظاہرا مختلف ہے وہ یا تو راوی کی غلطی سے ہے یا کسی اور سبب قوی سے ورنہ حقیقت میں ہرگز اختلاف نہیں)

تیسرے یہ کہ عدول کرنا ظاہر سے اور حمل کرنا غیر ظاہر پر بلا اقامہ دلیل کے ہرگز جائز نہیں۔ اور دلیل مفقود ہے پس اگر کوئی کہے کہ دلیل اس کی قرائت نصب ہے تو

ہم کہیں گے کہ قرائت نصب بھی مسح پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ پہلے اس کا بیان ہوا اور آیندہ بھی زیادہ اس سے بیان کیا جائے گا۔

اور شیخ محی الدین عربی اور امام فخر الدین رازی اور نظام نیشاپوری وغیرہم نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ظاہر کتاب خدا مطلقاً مسح پر دلالت کرتا ہے اور یہ بھی اقرار کیا ہے کہ اس امر میں تقریر شیعہ کا جواب ممکن نہیں ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان ہوگا۔

اور شیخ بہائی علیہ الرحمہ کتاب اربعین میں تحریر فرماتے ہیں کہ عطف کرنا ارجل کا رؤس پر اس واسطے کہ پاؤں کو خفیف دھونا دھوئیں جو شبیہ مسح کے ہو پس یہ بات ہر چند صاحب کشاف نے بیان کی ہے لیکن ظاہراً اس میں اعتساف اور بے راہ چلنا ہے کیونکہ معطوف باتفاق تمام نحویوں کے حکم میں معطوف علیہ کے ہوتا ہے۔ آیا کسی عاقل کو لائق ہے کہ یہ بات کہے کہ اکرمت زیداً و عمراً و سحقت من خالد و بکر (اکرام کیا میں نے زید اور عمرو کو اور ٹھٹا کیا میں نے خالد اور بکر سے) اور عطف کرے بکر کا خالد پر مگر نہ واسطے شارکت سخریہ کے بلکہ اس لئے کہ وہ عطف دلالت کرے اس امر پر کہ اکرام ہوا ہے بکر پر ایسا اکرام قلیل جو شبیہ سخریہ سے ہو اور شبہ نہیں ہے کہ خود یہ کلام کلام سخریہ ہے۔ اور وہ جو تحدید میں طہارت رجلین کے کہا ہے۔

جواب میں اس کے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں کہ وقوع تحدید دھونے پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ مسح بھی ایک فعل ہے کہ جس کو

شریعت نے واجب کیا ہے مثل غسل کے۔ پس اس کی تحدید کا بھی انکار نہیں ہو سکتا مثل تحدید غسل کے اور اگر حق تعالیٰ تصریح فرماتا اور ارشاد کرتا کہ وامسحوا ارجلکم وانتھوا بالمسح الی الکعبین تو ہرگز اسکا انکار نہیں کیا جاتا پس اگر کوئی کہے کہ تحدید یدین میں یعنی ہاتھوں میں ہرگاہ مقتضی دھونے کے ہے تو تحدید رجلین میں یعنی پاؤں میں بھی مقتضی دھونے کے ہوگی۔

تو ہم جواب دیں گے بہ سبب وقوع تحدید کے ہم ہاتھوں کے دھونے کے واجب نہیں جانتے بلکہ اس لئے کہ خدا نے یدین میں دھونے کی تصریح فرمائی ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ عطف محدود کا محدود پر بہتر اور اشبہ بہ ترتیب کلام ہے۔

تو ہم جواب دیں گے کہ یہ غلط ہے اس لئے کہ آیت میں ایدی محدود ہے اور معطوف ہے وجوہ پر اور وجوہ معطوف علیہ ہے اور محدود نہیں ہے۔ پس اسی طرح عطف ارجل کا وہ محدود ہے اوپر رؤس کے کہ محدود نہیں ہے جائز ہوگا۔ بلکہ یہی اولیٰ اور اشبہ بہ ترتیب کلام ہے نہ وہ امر جو تم نے بیان کیا۔ اس لئے کہ آیہ وضو مشتمل ہے ذکر پر ایک عضو مغسول غیر محدود کے کہ وہ وجہ ہے اور اس پر عطف ہے ایک عضو مغسول محدود کا یعنی یدین کا پھر شروع ہوا ہے ذکر ایک عضو ممسوح غیر محدود کا پس اب ضرور ہے کہ ارجل بھی ممسوح اور محدود ہو اور معطوف ہو رؤس پر نہ اس کے غیر پر واسطے متقابل ہونے دو جملوں کے یعنی ایک عطف مغسول محدود کا اوپر مغسول غیر محدود کے۔ دوسرے عطف ممسوح محدود کا اوپر ممسوح غیر محدود کے۔

اور وہ جو کہا ہے کہ جر بہ سبب قرب و جوار کے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعراب بمجاورت بالکل ضعیف ہے اور فخر الدین رازی

اور علامہ نیشاپوری نے اعتراف کیا ہے کہ اعراب بمجاورت کلام فصحا اور کلام وسیع میں نہیں آیا ہے اور ابن ہمام نے ابن حاجب سے نقل کی ہے کہ حمل کرنا اعراب کا قرب و جوار پر درست نہیں ہے کیونکہ قرآن میں اور کلام فصیح میں نہیں آیا ہے۔ انتہے اور زجاج کہتا ہے کہ جر بہ سبب قرب و جوار کے کتاب خدا میں جائز نہیں ہے اور اخفش کہتا ہے کہ اعراب مجاورت قرآن میں نہیں ہے اور کسائی نے اعراب مجاورت کا کل کلام عرب میں انکار کیا ہے اور جس نے کہ اس کی اجازت دی وہ بھی اس شرط سے ہے کہ وہاں حرف عطف نہ ہو۔ چنانچہ ابن ہشام نے مغنی میں کہا ہے کہ اعراب بجوار عطف نسق میں نہیں ہوتا ہے کیونکہ حرف عاطف مجاورت کو منع کرتا ہے۔ اور آیہ وضو میں عطف نسق موجود ہے پس جر بہ سبب مجاورت کے اس میں ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ اور ایضاً مجاورت اس وقت واقع ہو سکتی ہے جبکہ کلام میں لبس نہ ہو اور اشتباہ سے امن حاصل ہو۔ پس مذکورہ مثالوں میں کسی کو اشتباہ نہیں ہوتا کہ لفظ خرب ضب یعنی سوسمار کی صفت ہو اور مزمل بجاد کی صفت ہو۔ مگر مثل اس کے ارجلکم نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ ارجل بھی مثل رؤس کے ممسوح ہو اس لئے ہرگز اس میں عمل مجاورت نہیں ہو سکتا۔ یہ بسبب حاصل ہونے لبس و اشتباہ کے بعد بہ سبب خارج ہونے اس کے اس محل سے جہاں بعض نے عمل مجاورت کو جائز جانا ہے۔ باایں ہمہ بعض محققین نحاۃ نے کہا ہے کہ کلام عرب میں مجاورت بالکل جائز ہی نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حجر ضب خرب میں قائل نے خرب جحرہ کا ارادہ کیا ہے پس مضاف کو یعنے جحر کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو کہ وہ ضمیر مجرور ہے مضاف کے مقام پر قائم کیا اور جب ضمیر مرتفع ہوتی تو خرب

میں پوشیدہ ہوئی اور مثل اس کے کبیر اناس فی بجاد مزمل میں ہے کہ تقدیر اس کی مزمل کبیرہ ہے۔ پس اس سے اعراب بمجاورت باطل ہو گیا اور یہ امر ظاہر ہے۔ اور وہ بیت جس کی نسبت اعشی کی طرف دی ہے اس میں خیال مجاورت کرنا بالکل خطا ہے کیونکہ زیر ثواءٍ کا بہ سبب بدل ہونے کے ہے حول سے یعنے حول اس کا مبدل منہ ہے، اور معنی اس کے لقد کان فی ثواءٍ ثوینہ تقضیؔ لبانات ہیں۔ اور یہ بدل کے اقسام سے بدل اشتمال ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قتل اصحاب الاخدود النار یعنے قتل کیے گئے اصحاب اخدود کہ وہ آگ ہے۔

اور نار بدل ہے اخدود سے اور ارشاد فرمایا ہے یسألونك عن الشهر الحرام قتالٍ فیہ (یعنے سوال کرتے ہیں وہ تجھ سے شہر حرام میں لڑائی کرنے سے یہاں بھی قتال بدل ہے اور شہر حرام مبدل منہ)

اور اگر کوئی کہے کہ کس طرح تم کہتے ہو کہ اگر واو عطف ہو تو بمجاورت کا کچھ حکم نہیں ہے۔ حالانکہ عمل بمجاورت باوجود واوٴ عطف قرآن میں موجود ہے چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے یطوف علیھم ولدان مخلدون باکوابٍ واباریق (الی قولہ) وحورٌعینٌ (یعنے پھرتے ہیں اوپر ان کے لڑکے ہمیشہ رکھے گئے ساتھ پیالوں اور ابریقوں کے اور پھرتی ہیں حوریں فراخ چشم) پس زیر (جر ۱۲) حورٍ کا بہ سبب مجاورت کے ہے اس لئے کہ حوریں طواف کریں گی اور ان پر کوئی طواف نہ کرے گا۔ اور اسی طرح قول شاعر کا ہے ؎ لم یبق الا اسیر غیر منفلتٍ (متخلص ۱۲) وموثقٍ فی عقال (رسیمان ۱۲) الاسر مکبول (محبوس) (یعنے نہیں باقی رہا مگر اسیر غیر متخلص اور باندھا ہوا رسیمان میں

مجوس ) پس موثق کو جر ہے بہ سبب مجاورت غفلت کے اور لازم یہ تھا کہ اسے پیش ہو کیونکہ تقدیر کلام لم یبق الا اسیرٌ و موثقٌ ہے ۔

ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ قول کئی طرح سے باطل ہے اول یہ کہ جمیع قرّاء کے نزدیک وحورٌ عینٌ کو جر یعنے زیر نہیں ہے بلکہ اکثر قرّائے سبعہ رفع سے یعنے پیش سے پڑھتے نام ان کے یہ ہیں نافع اور ابن کثیر اور عاصم بیک روایت اور ابو عمر اور ابن عامر اور دو قاریوں کے نزدیک حور کو جر سے یعنے حمزہ اور کسائی اور بروایت مفضل عاصم حوراً عیناً کو نصب سے پڑھتا تھا ( مترجم کہتا ہے کہ اکثر کی قرائت پیش سے ہے اور وہی معتبر ہے اور تمام قرآنوں میں حورٌ پر پیش مرقوم ہے ۔ پس استدلال کرنا جَر کی قرائت سے کہ وہ قرائت شاذہ ہے کیونکر جائز ہوگا )

دوسرے یہ کہ بفرض قرائت شاذہ ۔ سوائے مجاورت کے دوسری وجہ جر کی لئے ہے وہ یہ کہ جب قول خدائے تعالیٰ یعنے اولٰئك المقربون فی جنّاتِ النعیم مقدم ہو چکا ہے تو حورٍ عینٍ عطف ہے جنّات النّعیم پر گویا حق تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے ھُم فی جنّات النعیم و فی مقارنۃ او معاشرۃ حورٍ عینٍ ۔ پس مضاف تخفیف کے لئے حذف ہوا ہے ۔ اور یہ وجہ بہت اچھی ہے جسے ابو علی فارسی نے کتاب الحجۃ فی القراءۃ میں ذکر کیا ہے ۔ ( مترجم کہتا ہے کہ ایک اور وجہ بھی جر کے لئے موجود ہے چنانچہ تفسیر معالم تنزیل ( ص ۲۰۸ چھاپہ بمبئی ) میں وحورٌ عینٌ کے تحت میں بعد تھوڑی عبارت کے لکھا ہے وقیل معناہ و بحورٍ ن بفاکہۃٍ و لحم طیرٍ و حورٍ عینٍ یعنے بعض نے کہا ہے کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ اکرام کئے جائیں گے بہشتی میووں سے اور گوشت طیور سے

اور نہ حورعین سے )

اور وہ بیت جو سائل نے کہی ہے وہ برخلاف دعوے کے ہے کیونکہ معنے لم یبق الا اسیر کے لم یبق غیر اسیر ہیں اور لفظ غیر استثناء میں متعاقب الا کا ہے اور پھر شاعر نے کہا و موثق زیر سے محل اسیر پر عطف کر کے گویا اس طرح کہا ہے لم یبق غیر اسیر غیر منفلت ولم یبق غیر موثق ۔ اسی طرح کتاب تہذیب الاحکام میں ہے ۔

( مترجم کہتا ہے کہ یہ جواب بفرض جر موثق ہے ورنہ اس کے دفع کے لئے کوئی امر مانع نہیں پس استدلال کے لئے اول ثبوت جو چاہئے اور وہ معدوم ہے )

اور زمخشری اور بیضاوی وغیرہما نے تصریح کی ہے کہ ( درصورت قرائت شاذہ ) جر حور عین کا بسبب عطف کے ہے اور عطف یا جنات پر ہے ۔ اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی ھم فی جنات و مصاحبۃ حورٍ یا عطف اکواب پر ہے اس واسطے کہ مراد اس سے ینعمون باکواب ہے ۔

اور جو کہتا ہے کہ وامسحوا برؤسکم وارجلکم مثل قول شاعر کے یعنے علفتھا تبناً ماءً بارداً کے ہے یعنے تقدیر کلام آیت میں واغسلوا ارجلکم ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ وجہ بعید تر اور ضعیف تر ہے اس واسطے کہ اگر ایسے تقدیرات باوجود ضعف کے کلام خدا اور تمام کلاموں میں جائز بھی ہوں تو اس وقت میں جائز ہوں گے کہ جب حمل کرنا ظاہر پر محال ہو اور اگر کلام میں معنی ظاہری مستقیم اور درست ہوں تو پھر ہرگز اس میں ایسی تقدیر جائز نہیں ۔

اور شیخ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں کہتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ مسح
آیہ وضو میں محمول ہے مسح خفین (موزوں) کی مشروعیت پر پس حمل کیا ہے قرائت جر کو مسح
خفین پر اور قرائت نصب کو پاؤں کے دھونے اور پھر حجر نے ابوبکر بن عربی سے نقل کی ہے
وہ کہتا ہے کہ دونوں قرائتوں میں تعارض ظاہری ہے پس لازم یہ ہے کہ دونوں قرائتوں پر
دو حالتوں میں عمل کیا جائے۔ اور پھر شیخ ابن حجر نے دوسرے مقام پر اسی کتاب کے
لکھا ہے کہ بعض محققین نے ذکر کیا ہے کہ دونوں قرائتوں سے ایک قرائت یعنی قرائتِ جر
موزوں کے مسح کرنے پر دلالت کرتی ہے تمام ہوا قول ابن حجر کا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ہرگز دونوں قرائتوں میں تعارض نہیں اور دونوں
متوافق الظاہر ہیں۔ اور دونوں کے ظاہر سے وجوب مسح ثابت ہے اور دعوی اس عقلمند
کا بالکل بیجا اور صریح غلط ہے۔ لغت میں کہیں خُف کا نام رِجل نہیں آیا ہے جس طرح
کہ عمامہ کو سر نہیں کہتے اور برقع کو منہ نہیں کہتے۔ پس ممکن نہیں کہ اس آیت میں
مسح پا کو مسح خفین پر حمل کریں اور یہ ایسی بات ہے کہ بجز دیوانے کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔

اور جو قرائت نصب میں کہا ہے کہ ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے
اور عطف میں ارجل کے محل رؤسکم پر ایجاب میں توسع اور تجوز ہے یعنی
مجاز پر عمل کرنا ہے اور ظاہر حقیقت سے لفظ پر عطف واجب ہے نہ محل پر۔

اس کے جواب میں شیخ ابوجعفر طوسی قدس اللہ روحہ کہتے ہیں کہ جس طرح ان
لوگوں نے توہم کیا ہے حقیقت میں یہ امر اس طرح نہیں ہے بلکہ عطف ہو ضع و محل پر لغت
عرب میں مستحسن ہے جائز ہے نہ بر سبیل اتساع و عدول حقیقت کے بلکہ متکلم کو اختیار ہے

کہ کبھی حمل اعراب کا لفظاً پر کرے اور کبھی محل پر اور یہ بات عربیتہ میں ظاہر ہے اور اہل زبان عربی میں مشہور ہے اور قرآن میں اور اشعار میں نظیریں اس کی بہت ہیں۔ اور باوجود اس کے اگر ہم تسلیم بھی کریں کہ عطف لفظاً پر اقوی ہے تب بھی عطف ارجل کا محل رؤس پر بصورت قرائت نصب اولیٰ ہوگا۔ اس واسطے کہ جب کسی کلام میں دو عامل موجود ہوں ایک ان میں سے قریب ہو اور دوسرا بعید۔ تو عمل دینا عامل قریب تر کو اولیٰ ہے عمل دینے سے عامل دور تر کے۔ اور اس امر پر اہل عربیتہ نے نص کی ہے۔ اور قرآن شریف اور اکثر شعر اعمال ثانی پر وارد ہیں اور پھر شیخ نے قرآن و اشعار سے کئی مثالیں دی ہیں۔

اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کلام میں تاثیر دینا قریب کو اولیٰ ہے بعید کے تاثیر دینے سے پس نصب دینا ارجل کو بہ سبب عطف محل کے اولیٰ ہے ایدی اور وجوہ پر عطف کر کے نصب دینے سے۔ باوجود اس کے جملہ اولیٰ جس میں دھونے کا حکم تھا بہ سبب شروع ہونے دوسرے جملہ کے گزر گیا۔ اور عمل اس کا باطل ہو گیا۔ پس البتہ منقطع ہونے حکم جملہ اولیٰ کے ہرگز جائز نہیں کہ اس کے لفظا پر دوسرے جملہ کے کسی لفظ کا عطف کریں۔ اور یہ امر مثل اس قول کے ہے یعنے ضربت زیدا و عمرا و اکرمت خالدا و بکرا۔ پس عطف کرنا بکر کا خالد پر اکرام میں ایسا امر ہے کہ اس کے سوائے کوئی اور وجہ جائز نہیں۔ اور جائز نہیں ہے کہ اس مثال میں بکر کا عطف زید و عمرو پر کر کے اس کو بھی ضرب میں داخل کریں کہ اس کا حکم منقطع ہو چکا ہے۔

اور بالفرض اگر ایسا جائز بھی ہو تو جو ہم نے کہا ہے وہی اولی اور ارجح ہو گا تاکہ دونوں قرأتوں میں تطابق ہو اور آپس میں متنافی نہ ہوں ۔

اور شیخ محی الدین عربی جزو سوم میں فتوحات مکیہ کے کہتے ہیں کہ ارجلکم میں قرأت فتح لام اور کسر لام سے اس واسطے ہے کہ اگر اس کا عطف ممسوح پر ہو تو کسرہ ہے اور مغسول پر ہو تو فتح ہے اور میری رائے یہ ہے کہ فتح لام ہی پاؤں کو حکم مسح سے خارج نہیں کرتا ممکن ہے کہ وارجلکم میں جو واؤ ہے وہ بمعنے مع کے ہو اور وہ واؤ نصب دیتا ہے جیسا کہ کہے قام زیدٌ و عمراً ۔ اور ارادہ کرے معیت عمرو کا (یعنے کھڑا ہوا زید ساتھ عمرو کے) پس حجۃ ان لوگوں کی جو اس آیہ میں مسح پا کے قائل ہیں اقوے ہے اس واسطے کہ وہ شریک ہو سکتے ہیں قائلین غسل کی دلیل میں کہ وہ فتح لام ہے ۔ (یعنے فتح لام کو جو قائلین غسل نے دلیل مقرر کیا ہے اس میں قائلین مسح بھی شریک ہیں کہ فتح لام سے مسح بھی ثابت ہو سکتا ہے) اور جو لوگ کہ پاؤں کے دھونے کے قائل ہیں وکسر لام کی دلالت میں شریک نہیں ہو سکتے ۔ تمام ہوا قول شیخ عربی کا اور یہ حجۃ ہے ان کے معتقدین پر ۔

اور علامہ نیشاپوری شافعی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ حجۃ ان لوگوں کی جنہوں نے مسح پا کو واجب جانا ہے قرأت جر ہے وارجلکم میں یہ سبب عطف ہونے کے برؤسکم پر اور اگر کوئی کہے کہ اس کا جر بسبب جوار کے ہے جیسے حجرُ ضبٍ خربٍ میں ہے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ کلام فصیح اور کلام فصیح میں اعراب بمجاورت نہیں آیا ہے اور ایضاً اعراب بمجاورت اس وقت جائز ہے جب کہ کلام میں لبس نہ ہو اور وہاں

واؤ عطف بھی نہ ہو اور آیہ وضو میں لیس اور واؤ عطف دونوں موجود ہیں۔ اور وامنت نصب لیس وہ محل رؤس پر عطف ہونے کے سبب سے ہے اور حجت جمہور کی علمائے اہلِ سنت کی پس وہ حدیثیں ہیں جو پاؤں دھونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور دوسری حجت یہ ہے کہ آیہ وضو میں جو پاؤں دھونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور دوسری حجت یہ ہے کہ آیۂ وضو میں جو چیز رجلین میں فرض ہے وہ کعبین تک محدود ہے اور تحدید غسل میں ہوتی ہے مسح میں نہیں ہوتی۔ اور قوم نے یعنے شیعوں نے جواب دیا ہے کہ اخبار آحاد قرآن کے معارض نہیں ہو سکتے اور اس کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ اور محل نزاع میں کوئی خبر آحاد بمقابلہ قرآن پیش نہیں کر سکتا۔ تمام ہوا قول نیشاپوری کا۔

اور امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ حجۃ ان لوگوں کی جو قائل مسح ہیں مبنی ہے قرائت مشہورہ بین العلما پر قول حق تعالے یعنی وارجلکم میں پھر امام رازی نے اس مقام پر ذکر اختلاف قرأت کیا ہے جس طرح سے پہلے ہم نے بیان کر دیا ہے پھر امام رازی فرماتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ قرائت جر مقتضی اس امر کی ہے کہ دونوں پاؤں پر مسح کیا جائے۔ پس اگر کوئی کہے کہ کیوں جائز نہیں کہ کسرہ ارجلکم میں بسبب جوار کے ہو جیسا کہ قول عرب جحرُ ضبٍّ خربٍ میں اور کبیر اناس فی بجادٍ مزملٍ میں ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ قول باطل ہے کئی وجوہ سے اول یہ کہ کسرہ بسبب قرب وجوار کے خطائے کلام میں شمار کیا گیا ہے کہ جس کی ضرورت شعری متحمل ہو سکتی ہے۔ اور کلام وسیع اور کلام خدائے تعالیٰ کو منزہ کرنا اور پاک کرنا اس خطا سے واجب و لازم ہے دوسرے

یہ کہ کسرہ بجاورت اس وقت جائز ہے جبکہ کلام میں التباس سے امن حاصل ہو جیسا کہ جحر ضب خراب میں التباس سے امن ہے کیونکہ بداہۃً معلوم ہے کہ خراب ہونا سوسمار کی صفت سے نہیں ہو سکتا بلکہ وہ صفت سوراخ کی ہے اور ارجلکم میں التباس سے امن حاصل نہیں ہے تیسرے یہ کہ کسرہ بہ سبب جوار کے نہیں آسکتا ہے مگر وہاں جہاں کہ واو عطف نہ ہو اور اگر واو عطف ہو تو اس مقام پر کسرہ جوار سے کوئی عرب متکلم نہیں ہوتا۔ اور قرائت نصب پس قائلین مسح کہتے ہیں کہ یہ ہی مسح کو واجب کرتی ہے اس لئے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ وامسحوا برؤسکم پس رؤسکم محل نصب میں ہے مگر باکے سبب سے مجرور ہوا ہے اور اگر ارجل کو رؤس پر عطف کریں تو ارجل میں نصب ہی جائز ہے بسبب عطف کے محل رؤس پر اور جر ہی جائز ہے بہ سبب عطف کے لفظ رؤس پر اور نحویوں میں یہ مذہب مشہور ہے۔ جب یہ امر ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ اب یہ بات ظاہر ہوئی کہ عامل نصب وارجلکم میں وامسحوا بھی ہو سکتا ہے اور واغسلوا بھی ہو سکتا ہے۔ لاکن جب دو عامل ایک معمول پر مجتمع ہوں تو عمل دینا عامل قریب تر کو اولیٰ ہے پس واجب ہوا یہ امر کہ عامل نصب وارجلکم میں وامسحوا ہو پس اس سے ثابت ہو کہ وارجلکم میں نصب لام سے بھی مسح واجب ہے۔ اور یہ طریقہ استدلال کا وجوب مسح میں آیہ وضو سے ہے۔ اور پھر قائلین مسح کہتے ہیں کہ جائز نہیں کہ اس دلیل قرآنی کو حدیث سے رد کریں کیونکہ کل حدیثیں آحاد سے ہیں اور قرآن کو منسوخ کرنا خبر واحد سے ہرگز جائز نہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ اس استدلال کا جواب ممکن نہیں ہے مگر دو وجہوں سے اول یہ کہ اخبار کثیرہ پاؤں دھونے کے ایجاب میں وارد ہوئے ہیں اور

دھونا مسح کو بھی شامل ہے اور مسح دھونے کو شامل نہیں ہے پس دھونا نزدیک تر احتیاط سے ہے پس وہی واجب ہوگا۔ اور اس وجہ پر یقین کرنا ضرور ہوگا کہ اس صورت میں سر کا دھونا بھی قائم مقام مسح کے ہو سکتا ہے (مترجم کہتا ہے کہ رازی نے دلیل مذکور پر گویا یہ اعتراض قائم کیا ہے)

دوسرے یہ کہ فرض رجلین محدود ہے کعبین تک اور تحدید غسل میں ہے مسح میں نہیں ہے۔ اور قوم نے یعنے شیعوں نے اس کا جواب دو طرح سے دیا ہے۔

اول یہ کہ کعب سے مراد وہ ہڈی ہے جو قدم کے جوڑ کے نیچے ہے اس صورت میں مسح دونوں قدم کے پشت پر واجب ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کعبین سے مراد وہ دونوں بلندیاں ساق کی دونوں طرف کی ہیں یعنے ٹخنہ مگر ہم نے التزام کیا ہے کہ مسح پشت پر قدموں کی ان دونوں مقاموں تک واجب ہے۔ پس یہ سوال باقی نہ رہا۔ تمام ہوا کلام فخر رازی کا (مترجم کہتا ہے کہ بندہ نے بلا زیادتی و کمی ترجمہ کیا ہے)۔

اب عاقل و منصف ملاحظہ کرے ان بڑے بڑے علمائے اہل سنت کو کہ پہلے ان میں سے قطب اور خاتم الاولیا ہیں اور دوسرے صاحب علامہ اور تیسرے امام ہیں اپنے مدعا کے اثبات میں آیہ شریفہ سے کس طرح مضطر اور پریشان ہو گئے ہیں اور کہیں ملجا انہیں نہیں ملا ہے بغیر اس کے کہ اعتراف کریں اس امر کا کہ آیہ وضو میں دلالت وجوب مسح پر اقوی ہے اور شیعہ کی تقریر کا جواب ممکن نہیں۔ اور تحدید کی وجہ بھی سابقاً کلام سے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے ناظرین منصفین جان چکے ہیں۔ اور امام رازی نے بھی اپنے کلام کے آخر میں اس کی وجہ بیان کی ہے جس کا ذکر ابھی ہم نے کر دیا ہے۔ مگر فخر رازی

نے جو بیان فرمایا ہے کہ دھونے میں احتیاط ہے اس لئے کہ دھونا مسح کو بھی شامل ہے اور اس کا عکس نہیں ہے۔

پس یہ ایسا قول ہے کہ بغیر حالت اضطرار و پریشانی کے صادر نہیں ہوتا جیسے کوئی غریق پانی میں تنکے کے سہارے کو بھی غنیمت سمجھتا ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فائدہ دھونے کا اور مسح کرنے کا لغت اور شرع میں مختلف ہے۔ اور خداوند عالم نے اعضائے مغسولہ میں اور اعضائے ممسوحہ میں فرق کر دیا ہے اور فرمایا ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم اور بلا خلاف سروں پر ایسا مسح فرض ہے جو متحمل دھونے کا نہ ہو پس واجب ہوگا کہ حکم پاؤں کا بھی ایسا ہی ہو اس لئے کہ حقیقت عطف اسی کا مقتضی ہے۔ اور یہ تحقیق کہ معطوف بہ اتفاق تمام نحویوں کے حکم میں معطوف علیہ کے ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں پس احتیاط صحیح یہ ہے کہ عمل ظاہر قرآن پر کیا جائے۔

**دوسری بحث** روایات اہل سنت وجماعت کی تحقیق میں ہے جو رجلین سے متعلق ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ جو فخر رازی نے کثرت روایات غسل پا کا ذکر کیا ہے پھر خود ہی نے اعتراف کیا ہے کہ وہ روائتیں بہ تمامہا طریق احاد سے ہیں۔ اور قرآن کو منسوخ کرنا خبر واحد سے جائز نہیں۔ باوجود اس کے ہمارے پاس روائتیں مسح پا کی ان کے اخبار غسل پا سے زیادہ وارد ہیں چنانچہ چند روائتیں ان میں سے ہم آئندہ تیسری بحث میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور یہ ایں ہمہ اہل سنت کے کتب معتبرہ میں بھی بہت سی حدیثیں مسح پا کے بارے میں ہم نے پائی ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ روائتیں مسح پا کی متفق علیہا بین الفریقین ہیں۔ اور روایات غسل پا مختلف فیہا ہیں۔ پھر ہم نے ان دونوں قسموں کی

روایتوں کو کتابِ خدا پر عرض کیا تو متفق علیہا کو موافق کتابِ خدا کے پایا پس اس کو اختیار کیا اور مختلف فیہا کو مخالف کتابِ خدا کے دیکھا پس اسے ترک کیا۔ اور حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد بہت سی حدیثیں تم سے بیان کی جائیں گی پس جب کوئی حدیث مجھ سے روایت کی جائے تو تم اس کو کتاب خدا سے ملاؤ اگر وہ حدیث کتابِ خدا کے موافق ہو تو اسے قبول کرو اور اگر مخالف ہو تو اسے رد کردو۔ یہ حدیث صاحب کنز الوصول فی شرح حرز الاصول نقل کرکے کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ جو حدیث مخالف کتابِ خدا کے ہو وہ آنحضرتؐ کی حدیث ہی نہیں ہے بلکہ حضرت پر افترا کی گئی ہے۔ تمام ہوا کلام صاحب کنز الوصول کا۔

پس اس سے اہل سنت وجماعت کو لازم ہے کہ اس امر کا یقین کریں کہ روایات غسل پا موضوع ہیں۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ بعض حکام جاہل نے کہ دخل دینے والے احکام خدا ورسول میں بی پروائی کرنے والے دین خدا میں تھے۔ اس بدعت کا یعنے غسل پا کا احداث کیا اور ان کے مریدوں اور تابعوں نے بہ طمع زخارف دنیوی اور بہ خوشامد خلفائے ظاہری حدیثیں وضع کردیں اور چونکہ اہل حق کم اور اہلِ باطل زیادہ تھے۔ وہی امر مشہور بین العوام ہوگیا۔ ہاں پاؤں کا دھونا وضو سے پہلے واسطے پاکیزگی کے مستحب تھا۔ مگر وضو میں فرض رجلین بغیر مسح اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ایک جماعت نے بزرگان صحابہ سے حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی روایت کی ہے۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں حمران غلام عثمان سے روایت کی ہے حمران کہتا ہے کہ میں حضرت عثمان کی خدمت میں وضو کرتے وقت حاضر ہوا جب وضو کر چکے تو فرمایا کہ لوگ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ حدیثیں روایت

کرتے ہیں، میں نہیں جانتا کہ وہ کیسی حدیثیں ہیں مگر میں نے آں حضرت کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح سے میں نے وضو کیا۔ الخ۔ پس جاننا چاہیے کہ مذہب سلمان فارسیؓ و ابوذرؓ غفاری و عمار یاسر و عبداللہ بن مسعود کا یہ تھا کہ وضو میں مسح پا فرض ہے اور عجب نہیں کہ حضرت عثمان ان صحابہ کی اور ان کی مثل کی روایتوں کا انکار فرمائیں اور ان کے اقوال کو نہ مانیں، اس لئے کہ صحابہ مذکورین سے حضرت عثمان کو بہت عداوت تھی چنانچہ بتصریح مورخین و علمائے معتبرین اہل سنت و امامیہ ثابت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جناب عثمان نے بہت ظلم کئے یہاں تک اس پیرانہ سالی میں اس صحابی رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارا اور شہر بدر کر دیا کہ مرتے دم تک پھر مدینہ میں نہ آسکے۔ اور عبداللہ بن مسعود کو اس قدر مارا کہ ان کی ہنسلیاں ٹوٹ گئیں اور عمار یاسر کو اتنا مارا کہ بے ہوش ہو گئے۔ چنانچہ آیندہ انشاءاللہ تعالیٰ اس کا بیان تفصیل سے ہوگا) اور وہ جو حضرت عثمان نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت رسالتؐ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے تو یہ امر ویسا ہی ہے ایسا کہ حضرت عثمان نے سفر میں نماز کی چار رکعتیں پڑھی تھیں بخلاف حکم رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چنانچہ خاتمہ میں اس کتاب کے اس کا ذکر ہوگا، انشاءاللہ تعالےٰ۔

اور شیخ ابن حجر عسقلانی کتاب فتح الباری میں اس مقام کی شرح میں جہاں بخاری نے کہا ہے غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین۔ کہتے ہیں کہ مسح کرنا نعلین پر کافی نہیں ہے جس طرح سے کہ موزوں پر مسح کافی ہے اور اشارہ کیا ہے بخاری نے اس خبر کی طرف جو علیؑ اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نعلین پر مسح کیا اور نماز پڑھی۔

اور اس بارے میں ایک حدیث مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے جس کو ابوداؤد وغیرہ نے لکھا ہے لاکن عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور طحاوی نے دلیل اجماع سے استدلال کیا ہے اس امر پر کہ اگر موزے پھٹ جائیں اس طرح سے کہ قدم ظاہر ہوں تو اس پر بھی مسح کافی نہ ہوگا پس اسی طرح نعلین پر بھی مسح کافی نہیں ہے کہ نعلین میں قدم نہیں ڈھنپتے اور یہ استدلال اگرچہ صحیح ہے مگر نقلِ اجماع میں نزاع ہے اور یہ مقام اس مسئلہ کے بسط کا نہیں ہے۔ لاکن پھر بھی ہم اس کے خلاصہ پر اشارہ کرتے ہیں پس کہتے ہیں کہ جس نے مسح پر اکتفا کیا ہے وہ متمسک ہوا ہے قول تعالےٰ وارجلکم سے بہ سبب معطوف ہونے اس کے برؤسکم پر۔ اور اس آیت کے ظاہر معنی پر ایک جماعت صحابہ اور تابعین کی معتقد ہے اور ابن عباس سے ایک روایت ضعیف کہ ثابت ان سے خلاف اس کے ہے اور عکرمہ اور شعبی اور قتادہ سے مسح کرنا مروی ہے اور یہی قول شیعہ کا ہے۔ اور حسن بصری سے منقول ہے کہ خواہ دھوئیں، خواہ مسح کریں ہر ایک کافی ہے۔ اور ابن طاہر سے منقول ہے کہ دھونا اور مسح کرنا دونوں واجب ہیں۔ تمام ہوا یہاں کلام شیخ ابن حجر کا۔

اور پوشیدہ نہیں ہے کہ نعلین پر مسح کرنے کی روایتیں جو حضرت امیر علیہ السلام سے وارد ہیں اور وہ حدیث مرفوع جس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے یہ سب مسح پا پر دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ نعلین عربی میں پشتِ قدم کھلی ہوئی رہتی ہے اور اسی قدر فرض مسح ادا ہونے میں کافی ہے اور اسی وجہ سے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت نے نعلین پر مسح کیا اور دوال نعلین کے نیچے مسح نہیں کیا پس معلوم

ہوا کہ مسح کرنا نعلین پر عین مسحِ قدمین ہے۔ اور خود شیخ ابنِ حجر نے اس کا اقرار کیا ہے کہ پاؤں دھونے کے وجوب پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نہیں ہے اور ایک جماعتِ صحابہ وجوبِ مسحِ پا کی قائل ہے اور یہ امر دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یقیناً قائلینِ مسح نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاؤں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ورنہ ہرگز قائلِ مسح نہ ہوتے اور مسح کو اپنی رائے سے بخلاف حضرت رسالتؐ واجب نہ جانتے کیونکہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمانے والے معانی قرآن کے تھے۔ اور جو ابنِ حجر نے اس حدیث کی تضعیف کا جس کو ابوداؤد وغیرہ نے مسحِ نعلین کے بارے میں روایت کیا ہے ابن مہدی وغیرہ سے ذکر کیا ہے وہ محلِ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے کہ شیخ جلال الدین سیوطی اپنے حاشیہ کے مقدمہ میں جس کا نام مرقاۃ السعود الی سنن ابی داؤد رکھا ہے کہتے ہیں کہ ابوداؤد نے ایک خط میں جو اہلِ مکہ کے پاس بھیجا تھا لکھا ہے۔

(جس کا خلاصہ یہ ہے) سلام علیکم اما بعد خداوند عالم ہم کو اور تم کو عافیت دے ایسی عافیت جس کے ساتھ کوئی مکروہ نہ ہو اور جس کے بعد کوئی سختی نہ آئے پس بدرستی کہ جو تم نے مجھ سے چاہا تھا کہ میں تمہارے واسطے چند ایسی حدیثیں ذکر کروں کہ وہ نہایت صحیح ہوں پس میں تمہارے مطلب سے واقف ہوا پس یہ کتاب ویسی ہی ہے جیسی تم چاہتے ہو۔ انتہے کلامہ۔

اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ سنن ابی داؤد کے کل احادیث ان کے قواعد پر اعلیٰ درجہ کے صحیح ہیں کہ خود جامع احادیث نے ان کی اصحیت کی، تصریح کردی ہے۔

اور وہ جو ابنِ حجر نے ذکر کیا ہے مسح پا ابن عباس سے یہ روایت ضعیف مروی ہے اور اُن سے اس کا خلاف ثابت ہوا ہے پس شاید ابنِ حجر نے اس قول ثابت سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے جسے بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے ابن بلال سے اس نے زید بن اسلم سے اس نے عطا ابن یسار سے اس نے ابن عباس سے وہ کہتا ہے کہ ابن عباس نے وضو کیا (یہاں تک کہ) ایک چلو پانی لیا اور دہنے پاؤں پر چھڑکا اور اسے دھویا۔ الخ۔

پس یہ روایت اور روایات متعددہ صحیحہ کی معارض ہے دوسرے کیونکر معتبر ہوگی (باوجود اس کے اس روایت میں اضطراب اور تہافت ہے۔ کیونکہ صحیح ابی داؤد اور مستدرک حاکم میں اس طرح مرقوم ہے کہ روایت کی ہے ہشام ابن سعد نے زید بن اسلم سے اس نے عطا ابن یسار سے وہ کہتا ہے کہ پس ابنِ عباس نے پانی دہنے پاؤں پر چھڑکا اور اس میں نعلِ عربی تھی پھر دونوں ہاتھوں سے مسح کیا ایک ہاتھ قدم کے اوپر تھا دوسرا نعل کے نیچے۔ اسی طرح فتح الباری میں ہے۔ پس یہ روایت مطلوب اہلِ سنت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ روایت میں فرش علیٰ رجلہ الیمنیٰ وارد ہے اور فتح الباری میں اس کے معنی اس طرح مرقوم ہیں (اے سکب الماء قلیلا) یعنی تھوڑا پانی ڈالا۔ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ ابنِ عباس نے تھوڑا سا پانی چلو میں لیا تھا۔ اور عاقل پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جب کوئی شخص تھوڑا پانی چلو میں لے اور پاؤں پر چھڑکے حالانکہ پاؤں میں نعل ہو اور ایک ہاتھ قدم کے اوپر رکھے اور ایک نعل کے نیچے پھر پاؤں کو مسح کرے تو اس سے ہرگز پاؤں کا دھونا حاصل نہ ہوگا اور کوئی نہ کہے گا کہ اس شخص نے تمام پاؤں کو دھویا ہے۔ کیونکہ پانی بہ سبب کمی کے اور حائل ہونے نعل کے ہرگز ظاہر و باطن کو قدم کے نہ پہونچے گا۔ اور اس روایت میں تصریح ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے ایک

ہاتھ نیچے بغل کے رکھا پس اس وقت دونوں تلوے پورے خشک رہے اور موضع دوال بھی خشک رہا۔ اور یہ امر منافی مطلوب ہے۔ اور اس پانی چھڑکنے سے انتہا یہ بات ثابت ہوئی کہ فقط ظاہر قدم وہ بھی بغیر موضع دوال کے پانی سے تر ہو گیا۔ اس سے مدعا حاصل نہیں ہوتا پس ظاہر یہ بات ہے کہ ابن عباس نے پشت قدم کا مسح کیا ہے جس طرح سے کہ تحت نعل کا مسح کیا جس پر روایت ابی داؤد و حاکم دلالت کرتی ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ اس امر سے ہرگز دعویٰ صادق نہیں آتا اور لامحالہ اصل اس روایت کی نعلین میں دونوں قدموں پر مسح کرنے کے بارے میں اور تصریح ابن حجر عسقلانی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت امیرؑ اور دوسرے صحابہ نے نعلین میں پاؤں پر مسح کیا اور نماز پڑھی پس اسی طرح یہ روایت جو ابن عباس سے مروی ہے مسح نعلین میں ہے کہ یا یہ ہو سکتا ہے کہ ابن عباس نے مسح کے لئے نیا پانی لینا تجویز کیا ہو۔ اور یہ بھی تجویز کی ہو کہ تحت نعل بھی مسح کیا جائے یا یہ کہ یہ فقرہ یعنی۔ وہی تحت النعل موضوع ہو اور بعض نے اس حدیث میں لفظ مسح کو ساقط کیا ہے اور اس کے مقام پر غسل کو رکھ دیا ہے اور یہ دروغ صریح ہے اس لئے کہ کوئی شخص کل پاؤں کو نعل عربی میں تھوڑا پانی چھڑک کر نہیں دھو سکتا اور روایت ہشام بن سعد میں بھی تصریح ہے کہ ابن عباس کے پاؤں میں نعل تھی بہرحال یہ روایت مضطربہ ہے کہ جس میں دخل و تصرف بھی ہوا ہے نہ ثابت ہے نہ ظاہر الدلالہ ہے بلکہ لفظ غسل اس میں مفتریات سے ہے۔ جاننا چاہئے کہ ابن حجر نے جو روایات مسح کی ابن عباس سے تضعیف کی ہے سبب قوی اس کا بجز تعصب کے نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ابن عباس سے مسح باصحاح اخبار ثابت ہوا ہے اس طرح سے کہ کوئی اس میں شبہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے امام محی السنہ بغوی اور ملا علی قاری اور قفال وغیرہم نے اکابر ائمہ حدیث سے تصریح کی ہے کہ مذہب ابن عباس کا

وجوب مسح پا ہے۔ اور ابن حجر سے نہایت تعجب ہے کہ خود اس نے فتح الباری کے دوسرے
مقام پر کہا ہے کہ اور نہیں ثابت ہوا ہے کسی صحابی سے خلاف دھونے کے مگر علی اور ابن عباس
اور انس سے ۔ یہ استشہاد دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ علی علیہ السلام اور ابن عباس اور انس
سے مسح پا ثابت ہے۔ اور اس مقام پر کہتا ہے کہ ابن عباس سے مسح پا ثابت نہیں ہے پس
یہ اقوال مختلفہ کس قدر اضطرار پر دلالت کرتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے دروغ گو را
حافظہ نباشد اور ابن حجر نے وہ جو کہا ہے کہ سوائے علی اور ابن عباس اور انس کے کسی
سے مسح پا ثابت نہیں ہے پس یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ ایک جماعت ائمہ حدیث کے
نزدیک سوائے ان مذکورین کے اور صحابہ سے بھی مسح پا بروایت صحیحہ ثابت ہے جو چاہے
اس کے مقامات کو ملاحظہ کرے۔ اور جو ابن حجر نے دوسرے مقام پر فتح الباری کے
لکھا ہے کہ طحاوی اور ابن حزم نے دعویٰ کیا ہے کہ مسح منسوخ ہوا ہے۔ پس جاننا چاہیے
کہ کوئی امر احکام شرعیہ سے منسوخ نہیں ہوا مگر شرع میں ثابت ہونے کے بعد
(یعنی چاہیے کہ پہلے وہ امر شرع میں ثابت ہو) اور از جملہ اوامر شرعیہ ہو اور کسی وقت
معمول بہ ہو۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے حاشیہ کشاف میں لکھا ہے کہ مسح پا
پہلے مشروع تھا بعد منسوخ ہوا پس یہ ادعا کرنا طحاوی اور ابن حزم کا اور تصریح کرنا
سیوطی کا مشروعیت مسح پر دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ ان لوگوں نے مسح پا کو روایت
صحیحہ سے ثابت اور زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معمول بہ پایا ہے لاکن جیسے انہوں نے
روایت غسل پا کو بھی اپنی کتابوں میں دیکھا تو اپنی مذہب کی تائید کے لئے اس کے منسوخ
ہونے کا دعویٰ کیا پس اگر ان سے کہا جائے کہ ناسخ اس کا کہاں ہے تو دو حال سے

خالی نہیں۔ یا کہیں گے کہ یہ کتاب خدا ناسخ ہے۔ اس صورت میں یہ کہنا ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ کتاب خدا خود مسح پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ہم نے بہ اعتراف علمائے اہلِ سنت پہلے بیان کر دیا ہے۔ یا کہیں گے کہ سنت یعنی حدیث ناسخ ہے تو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حدیثیں اس کی طریقہ احاد سے مروی ہیں اور منسوخ کرنا قرآن کو اخبار احاد سے بالاجماع جائز نہیں ہے، چنانچہ اس کا بھی ائمہ اہلِ سنت نے اقرار کیا ہے۔ اور مسح ہذا مسح پا میں بھی اخبار صحیحہ کتب معتبرہ اہلِ سنت میں موجود ہے اور اخبار غسل کے معارض ہیں پس باوجود احادیث مسح جو اخبار غسل کے معارض قوی اور قرآن کے موافق ہیں کیونکر اخبار غسل ناسخ مسح ہو سکتے ہیں پس کیوں نہیں کہتے کہ غسل پا منسوخ ہے کیونکہ اس پر روایات مسح جو قرآن کے موافق ہیں دلالت کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ پاؤں دھونے کی روایتیں بالکل بنائی ہوئی اور افترا کی گئی ہیں۔ جب نوبت کلام کی یہاں تک پہونچی تو اب ضرور ہے کہ ہم چند روایتیں مسح پا کے بارے میں ارباب سنت کے کتب معتبرہ سے نقل کریں۔

## روایاتِ مسح پا از کتبِ اہلِ سنت

**پہلی روایت:-** ابوداؤد نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے یعلی بن عطا سے اس نے اپنے باپ سے وہ کہتا ہے کہ خبر دی مجھے اوس بن ابی اوس نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے چاہ پر تشریف لائے اور وضو کیا اور دونوں نعلین اور قدمین پر مسح فرمایا۔ اور یہ حدیث بغیر ابوداؤد کے دوسری طریق سے اوس بن ابی اوس سے منقول ہے وہ کہتا ہے کہ دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ ایک چاہ پر جو طائف

ہیں سے تشریف لائے پس وضو فرمایا اور اپنے قدموں پر مسح کیا۔

**دوسری حدیث** ابو عبید نے کتاب غریب الحدیث میں حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے مزبلہ پر تشریف لائے اور پیشاب کیا پھر پانی طلب کر کے وضو فرمایا اور دونوں قدموں پر مسح کیا اور دوسری روایت میں حذیفہ سے منقول ہے کہ اُن حضرت نے وضو فرمایا اور نعلین پر مسح کیا۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ مسح نعلین عین مسح قدمین ہے کیونکہ نعلین عربی میں مقام مسح قدم کا کھلا ہوا رہتا ہے۔ **تیسری حدیث** ابوداؤد نے اپنی صحیح میں وکیع سے اس نے اعمش سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں سمجھتا تھا مسح کے لئے باطن قدم احق ہے ظاہر قدم سے یہاں تک کہ دیکھا میں نے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ ظاہر قدمین پر مسح کرتے ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ جس طرح اس مضمون کو وکیع نے اعمش سے روایت کیا ہے اسی طرح عیسیٰ بن یونس نے اعمش سے روایت کیا ہے۔

**چوتھی حدیث** بیہقی نے اپنے سنن میں رفاعہ بن رافع سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے جو نماز اچھی نہ پڑھتا تھا فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز درست نہیں ہے جب تک وضو پورا نہ کرے جس طرح سے کہ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ دھوئے اپنے منھ اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرے سر اور دونوں پاؤں کو کعبین تک۔ اس حدیث کو سیوطی نے دُرّ منثور میں لکھا ہے۔

**پانچویں حدیث** ابن حزم نے رفاعہ بن رافع سے حدیث طویل میں روایت کی ہے بعض اس حدیث کا یہ ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے کہ تم میں کسی کی نماز تمام نہ ہوگی (یعنی درست نہ ہوگی) جب تک وضو پورا نہ کرے جس طرح سے کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے پس دھوئے منھ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرے سر اور دونوں پاؤں کو کعبین تک پھر تکبیر کہے اور تحمید کرے الخ یہ حدیث صحیح ابی داؤد اور صحیح نسائی اور صحیح ابن ماجہ (مطبوعہ عمدۃ المطابع) میں بھی مرقوم ہے۔ اور مخفی نہیں ہے کہ یہ حدیث صریح ہے مسح پا میں بداہت قطعیہ۔ پس تعجب ہے اور نہایت تعجب ہے علمائے اہلِ سنت و جماعت سے کہ ایسے اخبار صحیحہ جو مسحِ پا پر دال ہیں اور قرآن کے موافق ہیں حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت بھی کرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے بلکہ عمل کرتے ہیں ان اخبار پر جو واہی اور مضطرب ہیں اور قرآن کے مخالف ہیں۔

**چھٹی حدیث** امام ابو اسحٰق احمد بن محمد ثعلبی جو اہلِ سنت کے نزدیک امام اصحاب حدیث سے مشہور ہیں اپنی تفسیر میں حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا آپ نے قسم بخدا نہیں نازل ہوا قرآن مگر ساتھ مسحِ پا کے[1] اور فرمایا آپ نے کہ وضو دو دھونا اور دو مسح کرنا ہے اور صحنِ مسجد[2] میں آپ نے لوگوں سے فرمایا آیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو سے خبر دوں لوگوں نے عرض کی بہت خوب پس آپ نے ایک کاسہ طلب فرمایا جس میں پانی تھا پھر منھ اور ہاتھ دھوئے اور سر اور دونوں پاؤں پر مسح فرمایا اور پھر کہا یہ وضو ہے جس میں کچھ احداث نہیں ہوا ہے۔ یہاں پر بعض علماء فرماتے ہیں

---

[1] یہ ساتویں حدیث ہے ۱۲۔ [2] یہ آٹھویں حدیث ہے ۱۲۔

کہ اگر خصم کہے کہ علیؑ نے بعد اس کے جو کہا ہے ھٰذا وضوء من لم یحدث حدثا

اس سے کیا مراد ہے نہیں مطلب اس سے مگر یہ کہ ایسا وضو اس کو چاہیئے جو پہلے سے

باوضو ہو اور کوئی حدث صادر نہ ہوا ہو۔ تو جواب میں کہا جائیگا کہ مراد حضرت علیؑ کی یہ ہے

کہ بدرستی کہ وضو کیسے صحیح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کرتے تھے اور جس میں کسی

طرح کا تغیر اور احداث نہیں ہوا ہے وہ یہ ہے جس طرح کہ میں نے کیا۔ اس پر دلیل یہ ہے

کہ آپ نے چاہا کہ لوگوں کو فرض سے آگاہ فرمائیں تا وہ اس پر اعتماد کر کے عمل کریں۔ اور اگر

یہ وضوی سابق پر تجدیدی وضو ہوتا تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے ایسے فرض

کی جس کے لوگ زیادہ تر محتاج تھے تعلیم نہ فرمائی اور دراصل یہ امر نہیں ہے کیونکہ آپ نے

جو فرمایا الا ادلکم علے وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قول دلیل صریح ہے اس

امر پر کہ وہ وضو بعینہ وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھا

**نویں حدیث** ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے جناب رسالتمآب

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھڑے ہوئے اس طرح سے کہ اصحاب حضرت کو دیکھیں پھر وضو

فرمایا پس دھوئے منہ اور دونوں ہاتھ اپنے اور مسح کیا سر اور دونوں پاؤں پر۔

**دسویں حدیث سیوطی** درمنثور میں لکھتے ہیں کہ روایت کی ہے ابن ابی حاتم نے

ابن عباس سے قولہ تعالےٰ وامسحوا برؤسکم میں کہ وہ مسح ہے **گیارہویں حدیث** سیوطی

درمنثور میں کہتے ہیں اور روایت کی ہے عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ نے

ابن عباس سے وہ کہتے ہیں کہ انکار کیا لوگوں نے مگر دھونے کا (یعنے مسح کا انکار کیا اور

دھونے کا اقرار) اور نہیں پاتا ہوں خدا کی کتاب میں مگر مسح **بارہویں حدیث** درمنثور

میں ہے کہ روایت کی ہے عبدالرزاق اور جریر نے کہا ابن عباس نے کہ وضو دو دھونا اور دو مسح کرنا ہے **تیرویں حدیث** در منثور میں ہے کہ روایت کی ہے عبدالرزاق اور عبدبن حمید نے ابن عباس سے وہ کہتے ہیں کہ خدا نے دو دھونے اور دو مسح کرنے کو فرض کیا ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ تیمم کو کہ خدا نے تیمم میں دو دھونے کے مقام پر دو مسح کو قرار دیا اور دو مسح کے مقام کو ترک کیا۔ اور یہ بھی ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ وضو دو دھونا اور دو مسح کرنا ہے پس اس بارے میں کوئی مباہلہ کرے تو میں مباہلہ کروں گا۔

اور ابن ماجہ نے اپنی صحیح (صفحہ ۶۵ مطبوعہ عمدۃ المطابع) میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے مسح کا انکار کیا اور میں خدا کی کتاب میں نہیں پاتا ہوں مگر مسح (یعنی خدا کی کتاب میں مسح ہے) اور اس روایت کے متصل باب ما جاء فی الوضوء علی ما امر اللہ میں مرقوم ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تم میں کسی کی نماز درست نہیں جب تک کہ وضو پورا نہ کیا جائے جس طرح کہ خدا نے فرمایا ہے یعنی دھوئے اپنے منھ اور ہاتھوں کو ساتھ کہنیوں کے اور مسح کرے سر اور دونوں پاؤں کو کعبین تک انتہا۔ اور بداہت قطعیہ اس حدیث سے مسح پا ثابت ہے اور ابن ماجہ نے بھی اس امر کو سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے شروع میں اس حدیث کے لکھا ہے کہ یہ وہ باب ہے جس میں موافق حکم خدا کے حدیث وارد ہوئی ہے اور امام محی السنۃ بغوی نے معالم التنزیل (صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ بمبئی) میں تفسیر میں آیہ وضو کی لکھا ہے کہ جنے ارجلکم کو جر سے پڑھا ہے پس یہ تحقیق کہ تھوڑے اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا چاہیئے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا وضو دو دھونا اور دو مسح کرنا ہے اور عکرمہ اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے اور شعبی کہتا ہے کہ جبرئیل

مسح کے ساتھ نازل ہوئے۔ اور کہتا ہے کہ نہیں دیکھتے ہو تم کہ تیمم کرنے والا مسح کرتا ہے
اس مقام پر جہاں وضو میں دھونا تھا اور مقام مسح کو ترک کرتا ہے۔ تمام ہوا کلام بغوی
کا جو ہم نے معالم التنزیل سے لکھا ہے اور علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں اور فخر رازی
تفسیر کبیر میں آیہ وضو کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے پاؤں کے مسح کرنے میں اور دھونے
میں اختلاف کیا ہے پس قفال نے اپنی تفسیر میں ابن عباس اور انس بن مالک اور عکرمہ اور شعبی
اور ابو جعفر محمد بن علی الباقر سے نقل کی ہے کہ یہ سب کہتے ہیں کہ پاؤں پر مسح کرنا واجب ہے۔
اور یہی مذہب امامیہ کا ہے اور جمہور فقہا و مفسرین کہتے ہیں کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے۔
اور داؤد کہتا ہے کہ پاؤں پر مسح بھی کرنا چاہیے اور دھونا بھی چاہیے۔ یہ قول ائمہ زیدیہ سے
ناصر للحق کا ہے اور حسن بصری اور محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ مکلف کو اختیار ہے خواہ
مسح کرے یا دھوئے انتہی اور سیوطی (یہ چودویں روایت ہے[۱۴]) در منثور میں لکھتے ہیں
کہ روایت کی ہے سعید بن منصور اور ابن شیبہ اور ابن جریر نے انس سے کہ کسی نے انس سے
کہا کہ ایک روز حجاج نے ہمارے روبرو خطبہ پڑھا اور طہارت کا ذکر کیا ہے اور کہا اغسلوا
وجوھکم وایدیکم وامسحوا برؤسکم وارجلکم بدرستی کہ نہیں ہے کوئی شئے ابن آدم کے قریب تر
خبث سے بغیر دونوں قدموں کے پس دھوؤ تم ان کے بطن کو اور ان کی پشت کو اور
ایڑیاں کے اوپر کے پٹھوں کو۔ پس یہ سن کر انس نے کہا کہ خداوند عالم سچا ہے اور حجاج
جھوٹا ہے خدا نے فرمایا ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم اور انس جب اپنے پاؤں کو
مسح کرتا تھا تو ان کو تر کر دیتا تھا۔ اور ابن علیہ نے حمید سے اس نے موسی بن انس سے
روایت کی ہے کہ ہم انس کے پاس تھے کسی نے ان سے کہا کہ حجاج نے ہمارے روبرو اہواز

میں خطبہ پڑھا اور طہارت کا ذکر کیا پھر یہ روایت مثل روایت سابقہ کے بیان کی۔ تمام ہوئیں روایتیں درمنثور کی۔

اور عثمان بن عیس شرح صحیح بخاری میں جس کا نام غایت التوضیح ہے کہتا ہے کہ جو علی اور ابن عباس اور انس بن مالک سے روایات مسح منقول ہیں ان سے اس قول سے رجوع کرنا بھی ثابت ہوا ہے اسی طرح قسطلان میں ہے اور عاقل منصف پر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ قول قائل کے کمال عجز اور نہایت اضطرار پر دلالت کرتا ہے کہ جب اس کو اتنی قدرت نہ ہوئی کہ روایات مسح کی سندوں میں بہ سبب ان کی صحت کے کچھ کلام کر سکے تو ایسا واہی قول کہہ دیا اور دعویٰ بے دلیل کر دیا۔ اور اگر ان روایات کی سندوں میں کوئی سند غیر صحیح ہوتی تو اس کو ضعیف ٹھہرا کر محل اعتبار سے ساقط کر دیتا پس جب اس پر قدرت نہ ہوئی تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ روایتیں مسح کی اہل سنت وجماعت کے نزدیک بھی صحیح و ثابت ہیں اور حکایت رجوع حضرت امیرالمومنین علیہ السلام وغیرہ کی مسح سے بداہت عقل باطل ہے اس لئے کہ اگر غسل با وضو میں فعل حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا تو حضرت امیرؑ ہر گز اس کو ترک نہ فرماتے کیونکہ امیرالمومنین علیہ السلام ۲۳ برس برابر صحبت میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رہے ہیں اور ہمیشہ ان حضرت کے وضو کو دیکھا کئے ہیں پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ امیرالمومنینؑ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک کریں اور خلاف آپ کے مسح کو اختیار فرمائیں اور پھر مسح سے رجوع کریں۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو قطعاً وہ گمراہ اور جھوٹا ہے۔ اور ہر گاہ روایت مسح حضرت امیر علیہ السلام اور دوسرے صحابہ سے ثابت ہے تو ہم نے جان لیا کہ مسح کرنا پاؤں پر

طریقہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ اور دھونا پاؤں کا بدعات سے ہے اور روایت اس کی موضوعہ اور مخترعات سے ہے۔ **پندرویں اور سولویں حدیث** شیخ فقیہ محدث ابوالحسن علی بن محمد الخزرجی صاحب کتاب تقریب المدارک فی رفع الموقوف وصل المقطوع میں حدیث مالک نے اپنی اس کتاب میں جس میں ناسخ و منسوخ کا ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ ہم نے کتاب تقریب المدارک میں دو حدیثیں صحیح نقل کی ہیں جو مظہر ہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو میں دونوں پاؤں پر مسح فرمایا اور یہ روایتیں علی بن ابی طالب وغیرہ سے منقول ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابن عربی وغیرہ نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر مسح کرتا تھا۔ اور اسی طرح ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے۔ اور طبری کہتا ہے کہ اختیار ہے چاہیں پاؤں کو دھوئیں یا مسح کریں۔ تمام ہوا کلام خزرجی کا جو کتاب ناسخ و منسوخ سے نقل کیا گیا۔ اور کتاب تقریب شرح صحیح موطاء مالک سے ہے اور مصنف اس کا اکابر علمائے اہل سنت سے ہے۔

اور تفسیر در منثور میں مرقوم ہے کہ ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ وضو دو دھونا اور دو مسح کرنا ہے۔ اور یونس کہتا ہے کہ مجھ سے روایت کی ہے اس شخص نے جو واسطہ میں عکرمہ کی صحبت میں رہتا تھا کہ کبھی میں نے عکرمہ کو پاؤں دھوتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے پاؤں پر مسح کرتا تھا اور عبدالرزاق اور ابن شیبہ اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے شعبی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ نازل ہوئے جبرئیل ساتھ مسح پا کے آیا نہیں دیکھتا ہے تو تیمم کو کہ تیمم میں دھونے کے مقام پر مسح کرتے ہیں اور

نے فرمایا ہے کہ میرے بعد بہت سی حدیثیں میری جانب سے بیان کی جائیں گی تم کو لازم ہے کہ ان کا کتابِ خدا سے مقابلہ کرو پس جو حدیث مطابق کتابِ خدا کے ہو اس کو قبول کرو اور جو اس کے مخالف ہو اس کو پھیر دو۔ صاحب کنز الوصول فی شرح غرر الاصول نے اس روایت کو ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو حدیث مخالف کتابِ خدا کے ہے وہ حدیث ہی نہیں ہے بلکہ افترا کی گئی ہے۔

پس جب شیخ عربی نے اعتراف کیا کہ ظاہر کتابِ خدا سے مسح ثابت ہے تو پھر کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ سنّت خلاف کتاب کے ہے۔ اس مقام پر مصنف کتاب اعلی اللہ مقامہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور بعض اصحاب بھی حضرت کے پاس تھے پس میں نے دل میں کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ راوی ہیں پس میں حضرت کے روبرو وضو کرتا ہوں تا دیکھوں کہ حضرت پاؤں کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ یہ خیال کرکے میں نے وضو کرنا شروع کیا اور منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا اور پھر کفِ دست دہنے پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر حضرت کی طرف دیکھا تا حضرت کچھ حکم کریں۔ اس وقت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسح کر پس میں نے موافق ارشاد دونوں پاؤں پر مسح کیا۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس فی الحقیقت اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت پر نہیں آسکتا۔ اور بعض محققین نے فرمایا ہے کہ سر کے مسح کے بعد پاؤں پر مسح کرنے میں ایک نکتہ ہے اور اشارہ ہے اس بات کی طرف جب بندہ

خداوند عالم کے روبرو اس کی طاعت کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ کرے تو ضرور ہے کہ تمام جسم اس کا طاہر اور پاکیزہ ہو یہاں تک کہ دونوں پاؤں طہارت میں سر کے برابر ہوں اور جب بندہ سر کا مسح کرے اور اسی ہاتھ کی تری سے پاؤں کا مسح کرے اس کی دل میں کچھ کراہت واقع نہ ہو بلکہ یقین حاصل ہو کہ دونوں پاؤں طہارت میں سر کے برابر ہیں واللّٰہ اعلم بالصواب۔

اور جو بخاری نے اپنی صحیح میں کئی مقامات پر روایت کی ہے عبد اللہ بن عمرو سے یعنے وہ کہتا ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر ہمیں حضرت نے پا لیا اور وہ وقت عصر کا تھا پس ہم نے وضو کرنا شروع کیا اور پاؤں پر مسح کرنے لگے پس آپ نے بہ آوازِ بلند دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عذاب ہے واسطے ایڑیوں کے آگ سے۔ پس یہ روایت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ حضرت کے زمانے میں سب لوگ پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ اور شک نہیں ہے کہ آپ ہی نے مسح کرنا سب کو تعلیم کیا تھا اور آپ کو ہر روز پانچ مرتبہ وضو کرتے ہوئے سب لوگ دیکھتے تھے۔ پس اگر آپ نے ان سب کو پاؤں دھونا تعلیم کیا ہوتا تو ہرگز وہ مسح پا نہ کرتے۔ اور ممکن نہیں ہے کہ ایک نیا امر دین میں سہواً جمع کثیر سے دفعِ واحد میں صادر ہو۔ پس یہ حدیث بھی عمدہ دلائل سے ہے اس امر پر کہ حضرت نے سب کو حکم نہیں فرمایا تھا مگر مسح کا۔ ولاکن حضرتؐ نے جو آوازِ بلند سے ندا کی تھی وہ اس واسطے تھی کہ ان لوگوں کی ایڑیاں بہ سبب شدت سردی کے پھٹ جاتی تھیں اور ان سے خون بہتا تھا۔ اور بعض لوگ اس پر پیشاب کرتے تھے۔ ان کو گمان یہ تھا کہ پیشاب کرنے سے

زخم ایڑیوں کا درست ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بے شعوری سے موافق عادت صحت کے ان کو دھوتے نہ تھے۔ پس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ تمہاری ایڑیاں نجاست سے خالی نہیں ہیں اور ندا کی وَیْلٌ للاعقاب یعنے اگر ایڑیوں کو طاہر نہ کرو گے تو ان پر آگ سے عذاب ہوگا۔ اور اس امر کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس کو علامہ قدس سرہٗ نے عبد اللہ بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ بدرستی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم کو دیکھا کہ وضو کرتی ہیں اور ایڑیاں ان کی رنگین ہیں حضرت نے فرمایا عذاب ہے واسطے ایڑیوں کے بہ سبب پیشاب کے اور اگر حضرت کو یہ منظور ہوتا کہ مسح پا سے منع فرمائیں تو ندا فرماتے کہ عذاب ہے واسطے پاؤں کے بہ سبب مسح کے پس دھوؤ تم ان کو۔ ہرگاہ حضرت نے پاؤں کا نام نہ لیا اور مسح سر سے منع نہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ حضرت نے ظاہر پا پر مسح کرنے کی اجازت دی ہے اس لئے کہ مسح متعلق پا سے ہے نہ ایڑیوں سے اور یہ امر ظاہر ہے پس یہ حدیث بھی ہماری ہی دلیل ہے نہ اہل سنت کی۔ اور وہ کو تسا عاقل ہوگا جو اس حدیث کو باب غسل رجلین میں نقل کرے گا۔

**تیسری بحث** :۔ رفع شبہات میں ہے جو متعلق ہیں روایاتِ شیعہ سے۔ جاننا چاہیے کہ بعض مخالفین نے کتب امامیہ سے بروایت عیاشی علی بن ابی حمزہ سے نقل کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابو ابراہیم یعنی موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سوال کیا قدموں کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ دونوں دھوئے جائیں گے۔ اور دوسری روایت میں ابو بصیر سے منقول ہے کہ فرمایا ابو عبد اللہ یعنی جعفر صادق علیہ السلام

نے کہ جب تو سر کا مسح بھول جائے یہاں تک کہ پاؤں دھو چکے تو سر کا مسح کر اور پھر پاؤں دھو۔ اور بروایت زید بن علی امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں وضو کرتا تھا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے پس جب میں نے پاؤں دھوئے حضرت نے فرمایا یا علی تخلیل کرو درمیان انگلیوں کے۔

اور جواب حدیث اول کا یہ ہے کہ بہ تقدیر صحت یہ حدیث بہت ضعیف ہے اور ابن ابی حمزہ بطائنی جو راوی اس حدیث کا ہے واقفی اور غالی ہے شیخ ابوجعفر طوسی وغیرہ اکابر محدثین نے اس کی جرح کی ہے اور ابن غضائری کہتے ہیں کہ علی بن حمزہ لعنہ اللہ اصل الوقف ہے اور علی بن حسن بن فضال نے کہا ہے کہ علی بن ابی حمزہ کذاب ہے ملعون ہے اور بعض محققین کہتے ہیں کہ علی بن ابی حمزہ وہ شخص ہے جس نے ہشامین پر افترا کیا ہے اس امر کا کہ وہ دونوں جسم و صورتِ خداوند عالم کے قائل ہیں۔ پس یہ قول درمیان اصحاب کے شائع ہوا پس بعض لوگوں نے ان میں سے ہشامین کو اس امر افترائی سے منسوب کر دیا۔ اور دلیل اس امر پر کہ ہشام بن حکم کبھی جسمیت خداوند عالم کا قائل نہ تھا وہ حدیث ہے جو احمد بن محمد بن ابی نصر سے بطریق صحیح مروی ہے وہ کہتا ہے کہ مجھ سے علی بن موسیٰ الرضا صلوات اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے احمد کس امر میں تم سے اور اصحاب ہشام بن حکم سے خلاف واقع ہوا ہے۔ میں نے عرض کی کہ خدا مجھ کو آپ پر فدا کرے ہم نے کہا خداوند عالم کو صورت ہے بہ دلیل اس حدیث کے ماحصل ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پروردگار کو ایک جوان کی صورت میں ملاحظہ فرمایا ہے۔ اور ہشام بن حکم نے کہا خدا کو جسم نہیں ہے

یہ سن کر امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد یہ درستی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آسمانوں پر تشریف لے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچے تو حضرت کے لئے پردہ ہائے عظمت میں مثل سوراخ سوزن کے کشادگی کی گئی پس حضرت نے نور عظمت میں سے جس قدر کہ خداوند عالم نے دکھلایا دیکھا۔ اور تم لوگوں نے تشبیہ کا ارادہ کیا ہے پس چھوڑ دے اس اعتقاد کو اے احمد۔ یہ حدیث علی بن ابراہیم قمیؒ نے اپنی تفسیر میں احمد بن محمد بن ابی نصر سے روایت کی ہے۔

اور دوسری وہ حدیث ہے جو شیخ ابوجعفر طوسی نے امالی میں اپنے اسناد سے روایت کی ہے۔ ابوہاشم داؤد بن قاسم جعفری سے وہ کہتا ہے کہ میں نے خدمت میں ابوجعفر محمد بن علی الثانی یعنے تقی علیہ السلام کے عرض کی کہ خدا آپ پر مجھ کو فدا کرے آپ کیا فرماتے ہیں ہشام بن حکم کے بارے میں۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا اس پر رحمت نازل فرمائے (پھر حضرت نے اس کی توصیف فرمائی)۔

تیسری وہ حدیث ہے کہ بعض علماء نے سلیمان بن جعفر جعفری سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے میں نے سوال کیا امام ابوالحسن الرضا علیہ السلام سے ہشام بن حکم کے بارے میں آپ نے فرمایا خدا اس پر رحمت نازل فرمائے وہ بندہ ناصح تھا ایذا دیا گیا اپنے اصحاب کی جانب سے بسبب حسد کے کہ وہ لوگ اس سے رکھتے تھے اور امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے مدائح جلیلہ ہشام بن حکم کے مروی ہیں اور شیخ ابوجعفر طوسی نے کتاب غیبت میں محمد بن سنان سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ علی بن ابی حمزہ کا ذکر نزدیک امام رضا علیہ السلام سے کیا گیا پس حضرت نے

اس پر لعنت کی پھر فرمایا بہ درستی کہ علی بن ابی حمزہ نے ارادہ کیا تھا کہ خدا کی کوئی عبادت نہ کرے نہ آسمان میں نہ زمین میں اور خدا نے یہ بات نہ ہونے دی اور چاہا کہ اپنے نور کو تمام کرے اگرچہ مشرکین کو اور اس لعین مشرک کو ناگوار ہوا میں نے عرض کی وہ مشرک ہے آپ نے فرمایا ہاں قسم بخدا موضع الحاجۃ۔

اور جواب دوسری حدیث کا یہ ہے کہ وہ محمول علی التقیۃ ہے کہ واسطے بچانے نفس مخاطب کے شر مخالفین سے آپ نے تقیہ بیان فرمایا ہے کیونکہ اکثر مخالفین ایسے امور کی تلاش اور تجسس میں مجلسوں میں حاضر ہوتے تھے اور پھر حکام جور کے روبرو غمازی کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ ابو جعفر طوسی قدس اللہ سرہ کتاب تہذیب اور استبصار میں داؤد بن زربی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے وضو کے بارے میں سوال کی حضرت نے فرمایا کہ وضو میں ہر عضو کو تین مرتبہ دھو پھر فرمایا کہ آیا تو بغداد اور عساکر بغداد میں حاضر نہیں ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی ہاں میں وہاں جاتا ہوں۔ پس ایک روز میں گھر میں مہدی عباسی کے وضو کر رہا تھا وہاں ایک شخص مجھے دیکھا اور میں نے اسے نہیں دیکھا تھا پس اس شخص نے کہا کہ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ تو فلاں ہے (یعنے شیعہ ہے) حالانکہ تو اس طرح وضو کرتا ہے (یعنے بطریق اہل سنت وضو کرتا ہے) میں نے دل میں کہا کہ قسم بخدا اسی واسطے حضرت نے مجھے ایسا وضو کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ اور شیخ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان مفید رضی اللہ عنہ نے کتاب ارشاد میں روایت کی ہے محمد بن فضل سے کہ بدرستی کہ علی بن یقطین نے

ایک عریضہ خدمت میں حضرت امام ابوالحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام کے لکھا اور مسح پا کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ تیرا مطلب مجھے معلوم ہوا اب میں جس طرح تجھے حکم کرتا ہوں اس پر عمل کر۔ تین مرتبہ کلیاں کر اور تین مرتبہ ناک میں پانی لے اور تین مرتبہ منھ کو دھو (الیٰ قولہ) تمام سر کا مسح کر اور کان کے ظاہر و باطن کو مسح کر اور پھر تین مرتبہ دونوں پاؤں کو دھو اور خبردار ہرگز خلاف اس کے نہ کرنا۔ پس علی بن یقطین اسی طرح وضو کرتا تھا۔ بعد اس کے بعض لوگوں نے ہارون رشید سے علی بن یقطین کی طرف سے نمامی کی اور کہا کہ وہ رافضی ہے۔ رشید نے ارادہ کیا اس امر کا امتحان اس کے وضو میں کرے پس ایک روز اپنے گھر میں علی بن یقطین کو کسی کام میں مشغول کیا یہاں تک کہ وقت نماز داخل ہوا اور علی بن یقطین کا معمول تھا کہ وضو اور نماز تنہا ایک حجرے میں بجا لاتا تھا اس وقت ہارون رشید ایک دیوار کے پیچھے آکر کھڑا ہوا اس طرح سے کہ خود علی بن یقطین کو دیکھ سکے اور وہ اس کو نہ دیکھ سکے۔ پس علی بن یقطین نے پانی طلب کیا اور جس طرح امام نے لکھا تھا اسی طرح وضو کیا اور ہارون دیکھ رہا تھا جب دیکھا کہ اس نے وضو مثل اہل سنت کے کیا ہے تو اس وقت صبر کی تاب نہ لا سکا۔ فوراً کھڑکی سے سر نکال کر پکارا کہ اے علی بن یقطین جھوٹے ہیں وہ لوگ جو گمان کرتے ہیں کہ تو رافضی ہے اس کے بعد علی بن یقطین کا حال رشید کے نزدیک بہت درست ہو گیا۔ اور اس واقعہ کے بعد اسی وقت ایک خط امام موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے علی بن یقطین کے پاس آیا اس میں تحریر فرمایا تھا کہ آج سے جس طرح خدا وند عالم نے حکم فرمایا ہے وضو کر یعنے ایک مرتبہ منھ کو دھو بقصد فرض

اور دوسری مرتبہ اسباغاً (یعنے اتماماً واکمالاً) اور دونوں ہاتھوں کو بھی کہنیوں سے اسی طرح دھواور پیش سر کا مسح کر اور پھر ظاہر قدموں پر مسح کر اسی تری سے جو وضو سے بچ رہی ہے۔ کیونکہ اب وہ امر جس کا خوف تھا جاتا رہا۔ والسلام۔

ہم نے اس روایت کو مختصر کرکے بیان کیا ہے۔

اور جواب تیسری حدیث کا یہ ہے کہ راوی اس حدیث کے سب عامّہ سے ہیں اور زیدیہ ہیں اور جو روایت زیدیہ سے متحقق ہوتی ہے اس پر ہمارے پاس عمل نہیں کیا جاتا اور راوی اس حدیث کے یہ ہیں۔ عبیداللہ بن منبہ کنیت اس کی ابوالجوزا حسین بن علوان سے اور وہ عمرو بن خالد سے۔ اور کتب رجال میں منبہ بن عبداللہ ہے اور عبیداللہ بن منبہ غلط ہے کہ اس کا ذکر کتب رجال میں نہیں ہے ——

اسی طرح شیخ نے استبصار میں فرمایا ہے پس ایسی روایت سے اصول امامیہ پر حجت نہیں ہوسکتی۔ اور جو روایت کہ مخالف نے نہج البلاغہ سے منسوب کی ہے اس مضمون کی کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پاؤں دھوئے ہیں۔ پس نہج البلاغہ میں اول سے آخر تک اس روایت کا پتا نہیں ہے۔ یہ بھی ایک کذب ہے کذبات سے اس شخص کے امترجم کہتا ہے کہ یہاں مخالف سے مراد شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی ہیں کہ مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اکثر ان کی کتاب یعنی تحفہ اثنا عشریہ کا جواب لکھا ہے ۱۲ اور بالفرض یہ روایت نہج البلاغہ میں ہو تب بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مولف نہج البلاغہ نے بعض روایتیں کتب اہل سنت سے نقل کی ہیں۔ اور وہ ہم پر حجت نہیں ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ اواخر کتاب نہج البلاغہ میں ایک روایت تاریخ ابن جریر سے

نقل کی ہے اور فرماتے ہیں و دوی ابن جریر فی تاریخ عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی الخ۔ اور ابن جریر صاحب تاریخ علمائے شافعیہ سے ہے اور اسی طرح اواخر کتاب میں کچھ مضمون روایت مبرّد سے جو کتاب مقتضب میں ہے لکھا ہے اور مبرّد بھی علمائے اہل سنّت سے ہے اسی طرح کی مطلب بروایت ہشام بن الکلبی سے اور روایت واقدی سے اور روایت سعید بن یحییٰ الاموی صاحب کتاب المغازی مسطور ہیں اور یہ سب علمائے اہل سنت سے ہیں پس ہمارے ہاں کیونکر ان کی روایات کی صحت کا حکم کیا جائے گا۔ اور اگر بالفرض حکایت وضوئے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثل تحریر مخالف نہج البلاغہ میں ہو تو مثل انہیں روایات کے ہوگی۔

جاننا چاہیے کہ یہ بزرگ یعنی شاہ صاحب دہلوی نے بہت سی روایتیں کتب امامیہ سے منسوب کی ہیں جن کا نام ونشان بھی کتب امامیہ میں نہیں ہے چنانچہ بعض ان میں سے ایک روایت کتاب الوالمماس حسن بن علی سے کہ ابو البختری تک منتہی ہوتی ہے نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ابو حنیفہ صاحب حضرت امام جعفر صادق ع کے پاس آئے اور حضرت نے بہت ان کی تعریف کی جس کو ہم بخوف طول کلام نقل نہیں کرتے پس یہ کتاب ہرگز کتب شیعہ سے نہیں ہے۔ اور ابو البختری کہ وہب بن وہب قاضی ہے عامی اور بڑا جھوٹا اور بڑا وضع کرنے والا حدیث سمجھا تھا۔ اور حضرت صادق علیہ السلام پر افترا کرتا تھا چنانچہ علمائے رجال نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور ابن جوزی حنبلی نے بھی اس کو کذابین اور وضاعین حدیث میں ذکر کیا

ہے اور کہا ہے کہ ابوالبختری کبار وضاعین سے ہے چنانچہ اشارہ عاشرہ میں اس کا

ذکر آئے گا پس کیونکر یہ روایت مکذوبہ جو حضرت صادق علیہ السلام پر افترا کی گئی ہے

شیعہ پر حجت ہوسکتی ہے اور بعض ان میں سے وہ روایت ہے جو شرح تجرید علامہ

سے منسوب کی ہے فضیلت میں ابوحنیفہ صاحب کے اور اس کتاب میں اس روایت کا

اثر تک نہیں ہے اور بعض ان میں سے وہ روایت ہے۔

جو کتاب مجالس المومنین سے نقل کی ہے ذکر میں

بعض منافقین کے اور اس کی عبارت میں خیانت کرکے کہتے ہیں انتہا بلفظہ۔ اور بعض ان

میں سے وہ روایت ہے جو کتاب نامعلوم سے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کتاب کا

نام مجاج السالکین ٹھہرایا ہے اور اس روایت کا مضمون یہ ہے حضرت سیدہ علیہا السلام

ابوبکر سے قضیہ فدک میں راضی ہوگئیں حالانکہ نہ اس کتاب کا کہیں پتا ہے نہ اس کے

مصنف کا کہیں نشان ہے الحاصل ایسے امور تحفہ اثناعشریہ میں بہت سے ہیں پس نہایت

ہی حیرت اور بہت ہی تعجب کا مقام ہے کہ شاہ صاحب ایسے افتراءات اور بہتانات

کے مرتکب ہوں کیا یہی دینداروں کا کام ہے کہ اس طرح کے مکذوبات اور جھوٹی باتیں

تحریر فرمائیں کیا یہی علمائے اسلام کا شیوہ ہے کہ نقل عبارات میں خیانات کریں اور اپنے

دل سے جھوٹ موٹ نام کتابوں کا مقرر کردیں اور اس کو شیعہ کی جانب نسبت دیں اور

اپنے مطلب کے موافق روایات گھڑ کے ان سے شیعہ پر حجت لائیں اور فی زماننا ایسی

خیانتیں بہت شائع ہوئی ہیں چنانچہ سید سعید احمد بن احمد نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک

شیخ بغدادی جس کا نام ابن الرّاوی ہے مجھ سے کہتا تھا کہ آج کل علمائے بغداد اس کام میں مشغول ہیں کہ اپنی کتابوں سے وہ روایتیں جو شیعہ کے مفید ہیں اور شیعہ ان سے متمسک ہوتے ہیں نکال ڈالیں اور ان کتابوں کی دوسری نقلیں اپنی مرضی کے موافق لکھیں۔ نعوذ باللہ من ھذہ الافعال القبیحہ والاعمال لشنیعہ۔ جب کلام ہمارا ضمن میں روایات شیعہ کے یہاں تک پہونچا تو اب ہم کو ضرور ہوا کہ چند روایتیں کتب معتبرہ شیعہ سے ثبوت میں مسح پا کے تبرکاً ذکر کریں۔

**روایات شیعہ در مسح پا۔** پہلی حدیث روایت طویل میں منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب جبرئیل نازل ہوئے تو آسمان سے پانی منگایا اور عرض کی اٹھئے یا رسول اللہ اور نماز کے لئے وضو فرمائیے پس جبرئیل نے حضرت کو وضو تعلیم کیا پس حضرت نے منھ اور دونوں ہاتھ کہنیوں سے دھوئے اور سر اور دونوں پاؤں پر کعبین تک مسح کیا۔

الحدیث دوسری۔ حدیث ابن طاؤس نے امام ابو الحسن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے نقل کی ہے اور اپنے اپنے پدر بزرگوار سے وہ حضرت فرماتے ہیں کہ جب جناب امیر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ اپنے اپنے پدر بزرگوار سے وہ حضرت فرماتے ہیں کہ جب جناب امیر علیہ السلام نے اسلام کو ظاہر فرمایا اور حضرت خدیجہ بھی مسلمان ہوئیں اس وقت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل میرے نزدیک موجود ہیں اور تم کو بیعت اسلام کی طرف دعوت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام میں کئی شرطیں ہیں (یہاں تک کہ شرائط اسلام سے) اکمال وضو

ہے یعنے دھونا منھ اور یدینؑ وذراعینؑ کا اور مسح سر اور دونوں قدموں کا کعبین تک الحدیث تیسری حدیث ابن طاؤسؒ نے امام موسی بن جعفر علیہما السلام سے آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے نقل کی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقداد و سلمان و ابوذر سے فرمایا کہ آیا تم شرائع اسلام جانتے ہو سب نے عرض کی جو خدا اور رسول نے ہمیں سکھایا ہے وہ ہم جانتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ شرائع اسلام بہت ہیں اول یہ کہ تم گواہی دو کہ سوائے اللہ کے دوسرا معبود نہیں ہے یہاں تک کہ فرمایا آپ نے، اور گواہی دو کہ علی بن ابی طالب وصی محمد اور امیر المومنین ہیں اور امیر المومنین ہیں اور مودت اہل بیتؑ کی فرض ہے ساتھ بجا لانے نماز کے اور دینے زکوٰۃ و خمس کے اور ادا کرنے حج و جہاد کے اور روزہ ماہ رمضان کے اور غسل جنابت اور وضوئے کامل کہ وہ دھونا منھ اور دونوں ہاتھوں کا ہے کہنیوں تک اور مسح کرنا سر اور دونوں قدموں کا ہے کعبین تک بحدیث چوتھی حدیث ابن بابویہؒ نے حضرت صادق علیہ السلام سے وصف معراج میں روایت کی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ فرمایا حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ارشاد کیا مجھے پروردگار نے یا محمدؐ اپنا ہاتھ بڑھا میرے عرش کے دہنے ساق سے پانی تیرے ہاتھ میں گرے بس وہاں سے پانی نازل ہوا اور میں نے دہنے ہاتھ سے پانی لیا اس سے ابتدائے وضو دہنے ہاتھ سے ہے (الی قولہ) پھر خدا نے فرمایا کہ مسح کر اس تری سے جو تیرے ہاتھ میں دھونے سے بچ رہی ہے اپنے دونوں پاؤں کو بدرستیکہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ تجھے ایسے مقام پر مقیم کردوں کہ تجھ سے پہلے کسی کا پاؤں وہاں تک نہ پہونچا ہو اور سوائے تیرے کوئی وہاں تک نہ گیا ہو بس یہ

ؑ دونوں ہاتھ ۔ ؑ دونوں کہنیاں

علّت وضو ہے۔ پانچویں حدیث حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ہرگاہ حضرت نے دھوئے بیانی فرمایا اور دونوں پاؤں پر مسح کیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ وضو ہے کہ بغیر اس کے خداوندِ عالم نماز قبول نہیں کرتا۔ چھٹی حدیث جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اس طرح سے کہ منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے اور سر اور دونوں پاؤں پر مسح فرمایا۔ ساتویں حدیث حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ فرمایا حضرت نے جب بندہ وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو تمام گناہ منہ کے بخشے جاتے ہیں اور جب دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں کے گناہ عفو کئے جاتے ہیں اور جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کے گناہ گر جاتے ہیں۔ اور جب دونوں پاؤں پر مسح کرتا ہے تو پاؤں کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور بروایت عمر بن عتبہ ایسی ہی روایت منقول ہے۔ آٹھویں حدیث امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وضو کرنے والا پانی کو چھوتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور جب مضمضہ کرتا ہے تو خداوند عالم اس کے قلب و زبان کو نور حکمت سے معمور فرماتا ہے اور جب ناک میں پانی لیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کو آتش دوزخ سے نجات دیتا ہے اور خوشبو بہشت کی اس کو نصیب ہوتی ہے اور جب منہ دھوتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے منہ کو سفید کرتا ہے۔ جس روز کہ بعض منہ سفید ہوں گے اور بعض منہ سیاہ ہوں گے اور جب وہ دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس پر زنجیریں آگ کی حرام فرماتا ہے اور جب وہ سر پر مسح کرتا ہے تو

سلعہ کلّی۔

غفور رحیم اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور جب وہ دونوں قدموں پر مسح کرتا ہے تو خدائے کریم صراط پر سے اس کا گزار کر دیتا ہے۔ جس روز کہ بہت سے قدم متزلزل ہوں گے۔ **نویں حدیث** ثقۃ الاسلام نے کافی میں زرارہ اور بکیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابو جعفر علیہ السلام سے عرض کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وضو سے ہمیں آگاہ فرمایئے حضرت نے ایک ظرف طلب فرمایا جس میں پانی تھا اور اپنا داہنا ہاتھ اس میں ڈبویا اور ایک چلو پانی لے کر منہ پر ڈالا اور اس سے منہ دھویا، پھر بایاں ہاتھ اس میں ڈبویا اور ایک چلو پانی لے کر داہنے ہاتھ کو دھویا کہنی سے انگلیوں تک اور الٹا نہ دھوتے تھے پھر داہنے ہاتھ میں پانی لے کر بائیں ہاتھ کو مثل داہنے ہاتھ کے دھویا اور پھر ہاتھ کی تری سے سر اور دونوں قدموں پر مسح کیا بغیر اس کے کہ تازہ پانی لیں الحدیث۔ **دسویں حدیث** زرارہ سے منقول ہے کہ فرمایا ابو جعفر علیہ السلام نے آیا وضوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہیں دکھلاؤں ہم نے عرض کی بہت خوب پس حضرت نے ایک ظرف پانی کا طلب فرمایا اور اس کو اپنے روبرو رکھا اور اپنے ذراعوں کو برہنہ فرما کر داہنے کفِ دست کو اس میں ڈبویا اور فرمایا اسی طرح ہے اگر ہاتھ پاک ہوں پھر چلو میں پانی بھر کر لیا اور دونوں جبیں پر ڈال کر فرمایا بسم اللہ اور اطراف ریش مبارک تک پانی کو جاری فرمایا اور دوبارہ ہاتھ کو منہ اور جبین پر پھیرا پھر بایاں ہاتھ پانی میں ڈبویا اور چلو بھر پانی لے کر داہنی کہنی پر ڈالا اور کفِ دست کو اس پر پھیرا یہاں تک کہ پانی انگلیوں کے آخر تک جاری ہوا پھر داہنے چلو میں پانی بھر کے لیا اور مثل داہنے ہاتھ کے بائیں ہاتھ کو

عہ کہنیوں۔

دھویا اور پیش سر کو اور پشت قدمین کو مسح فرمایا تری سابق سے۔ زرارہ کہتے ہیں
کہ ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا تعالے وترؔ ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔
پس تجھے وضو میں تین چلّو پانی کافی ہے۔ ایک چلّو منہ کے لیے اور دو چلّو دونوں ہاتھوں
کے لئے اور دہنی ہاتھ کی بچی ہوئی تری سے پیش سر اور دہنے قدم کی پشت پر مسح کر
اور بائیں ہاتھ کی تری سے بائیں قدم کے پشت پر مسح کر۔ اور زرارہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں
کہ فرمایا ابوجعفر علیہ السلام نے کہ ایک شخص نے حضرت امیر علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا سوال کیا پس حضرت نے اسی طرح وضو کر کے دکھلایا۔ ثقۃ الاسلام
یعنی محمد بن یعقوب کلینی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کافی میں لکھا ہے اور اس کے بعض کو شیخ
صدوق علیہ الرحمہ نے بھی روایت کیا ہے اور زرارہ بن اعین علیہ الرحمہ سے مروی ہے
کہ ابوجعفر علیہ السلام نے ہم سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کی حکایت
کی پس ایک ظرف پانی کا طلب کیا (الیٰ قولہ)، اور جو ہاتھوں میں تری باقی تھی اس سے
سر اور دونوں پاؤں کا مسح فرمایا تازہ پانی نہ لیا اس کو شیخ ابوجعفر طوسی نے روایت کیا ہے،

**گیارہویں حدیث** میسر نے ابوجعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا
آپ نے آیا نہ دکھاؤں تم کو وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پھر ایک چلّو پانی
لے کر منہ پر ڈالا اور ایک چلّو دہنے ہاتھ پر اور ایک چلّو بائیں ہاتھ پر پھر سر اور دونوں
قدموں پر مسح فرمایا اور ہاتھ پشت قدم پر رکھ کر فرمایا یہ کعب ہے اور ٹخنے پر ہاتھ رکھ
کے فرمایا یہ طنوب ہے۔ روایت کیا ہے اس کو شیخ ابوجعفر طوسی نے۔ اور عیاشی نے
عبداللہ بن سلیمان سے اور اس نے ابوجعفر علیہ السلام سے ایسی ہی روایت کی ہے اور

ئہ واحد

اور ثقۃ الاسلام نے بکیر بن امین سے اور اس نے ابوجعفر علیہ السلام سے مثل اسی کے روایت کی ہے۔ بارہویں حدیث [12] شیخ الطائفہ نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا ابوعبداللہ علیہ السلام نے وضو میں دو دو مرتبہ دھونا ہے اگر کوئی دو مرتبہ سے زیادہ دھوئے تو جائز نہیں پھر اپنے وضو سے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکایت فرمائی اور ایک مرتبہ منھ کو دھویا اسی طرح دونوں ہاتھ دھوئے اور تری وضو سے سر اور پاؤں کا مسح کیا۔

تیرہویں [13] حدیث شیخ صدوق نے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا آپ نے اگر میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر قدم پر مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو مجھے مظنّہ ہوتا کہ باطن قدم مسح کے لئے اولیٰ ہے۔ چودہویں حدیث شیخ ابوجعفر طوسی نے امالی میں ابواسحٰق ہمدانی سے روایت کی ہے کہ جب امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصر پر حاکم مقرر فرمایا تو ان کو ایک خط تحریر کیا کہ اہل مصر کے روبرو پڑھیں اور اس کے مضامین پر عمل کریں اس خط میں یہ بھی درج تھا کہ دیکھ تو وضو کو بدرستیکہ وہ شرائط نماز سے ہے تین مرتبہ کلیاں کر اور تین مرتبہ ناک میں پانی لے اور اپنے منھ کو دھو پھر دہنے ہاتھ کو پھر بائیں ہاتھ کو دھو اور پھر سر اور دونوں پاؤں کا مسح کر کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے اور جان تو کہ وضو وصف ایمان کرنا ہے الحدیث

پندرہویں [15] حدیث ثقۃ الاسلام اور شیخ صدوق نے محمد بن قیس سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام کو مکہ میں حدیث بیان فرماتے ہوئے سنا کہ فرمایا آپ نے

کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز صبح اصحاب کے ساتھ ادا فرمائی بعد فراغِ نماز اصحاب سے حدیث بیان فرماتے ہوئے بیٹھے یہاں تک کہ آفتاب طالع ہوا پس لوگ اُٹھنے لگے تاآنکہ دو آدمی باقی رہ گئے ایک انصاری دوسرا ثقفی حضرت نے ان سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تمہاری حاجت ہے اور تم چاہتے ہو کہ مجھ سے استفسار کرو پس اگر تم چاہو تو میں خود تمہاری حاجت سے تم کو آگاہ کروں اور نہیں تو تم خود سوال کرو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ آپ خود بیان فرمایئے کیونکہ ایسا بیان کرنا زیادہ روشنی دینے والا ہے نابینا کو اور دور تر ہے شک سے اور زیادہ ثابت کرنے والا ہے ایمان کو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے بھائی انصار کہ تو اس قوم سے ہے جنہوں نے تجھے اپنے نفسوں پر اختیار کیا ہے اور برگزیدہ گردانا ہے اور تو گاؤں کا رہنے والا ہے اور یہ ثقفی بدوی سے آیا ہے تو اسے مسئلہ کے لئے اختیار کرتا ہے اس نے عرض کی بہت خوب پس آپ نے دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے بھائی ثقیف کے تو اس واسطے آیا ہے کہ مجھ سے اپنے وضو اور نماز کی حالت اور اس کا ثواب دریافت کرے پس جان کہ جب تو ہاتھ پانی میں ڈالتا ہے اور بسم اللہ کہتا ہے تو تمام گناہ جو تیرے ہاتھ نے کئے ہیں گر جاتے ہیں اور جب تو اپنا منہ دھوتا ہے تو جتنے گناہ کہ تیری آنکھوں نے بہ سبب دیکھنے کے اور تیرے منہ نے بہ سبب بولنے کے کئے ہیں وہ سب دور ہو جاتے ہیں اور جب تو دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو تمام گناہ تیرے ہاتھوں کے عفو کئے جاتے ہیں پس جب سر کا اور دونوں پاؤں کا مسح کرتا ہے تو جتنے گناہ کہ ان کی جانب تو اپنے پاؤں سے چلا ہے معفو ہوتے ہیں تا آخر حدیث۔ سولویں حدیث ثقۃ الاسلام اور شیخ صدوق اور شیخ ابوجعفر طوسی نے کتب اربعہ میں روایت کی ہے اور صدوق نے ثواب الاعمال میں بھی نقل کی ہے ابو عبداللہ علیہ السلام سے اور آپنے اپنے آبائے طاہرین سے

کہ امیر المومنین علیہ السلام ایک روز اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے
اس وقت محمد بن حنفیہ سے فرمایا کہ ایک ظرف پانی کالا تا میں نماز کے لیے وضو کروں محمد نے
پانی حاضر کیا پس حضرت نے دہنے ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالا اور فرمایا
بسم اللہ وباللہ والحمد للہ الذی جعل الماء طہورا ولم یجعلہ نجسا پھر حضرت نے
استنجا کیا اور فرمایا اللّٰہم حصّن فرجی واعفہ واستر عورتی وحرمنی علی النار پھر
آپ نے کلّی کی اور فرمایا اللّٰہم لقنّی حجتی یوم القاک واطلق لسانی بذکرک و
شکرک پھر ناک میں پانی لیا اور کہا اللّٰہم لا تحرّم علیّ ریح بجنّۃ واجعلنی ممن یشم
ریحہا وروحہا وطیبہا پھر آپ نے منہ کو دھویا اور فرمایا اللّٰہم بیض وجہی یوم تسوّد
فیہ الوجوہ ولا تسوّد وجہی یوم تبیضّ فیہ الوجوہ پھر دہنا ہاتھ دھویا اور کہا اللّٰہم
اعطنی کتابی بیمینی والخلد فی الجنان بلیساری وحاسبنی حسابا یسیرا پھر بایاں ہاتھ
دھو کر فرمایا اللّٰہم لا تعطنی کتابی بشمالی ولا تجعلہا مغلولۃ الی عنقی واعوذ بک من
مقطعات النیران پھر سر کا مسح کیا اور کہا اللّٰہم غشّنی برحمتک وبرکاتک وعفوک
پھر دونوں پاؤں پر مسح کیا اور فرمایا اللّٰہم ثبّتنی علی الصراط یوم تزل فیہ الاقدام
واجعل سعی فیما یرضیک عنّی پھر آپ نے سر اپنا بلند فرمایا اور محمد حنفیہ کی طرف دیکھ کر
ارشاد کیا کہ جو شخص مثل میرے وضو کرے اور مثل میرے قول کے کہے تو خداوند عالم
ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے کہ وہ تقدیس اور تکبیر میں مشغول ہوتا ہے اور خدائے
کریم ثواب اس کا اس بندہ کے لیے لکھتا ہے قیامت تک۔ ستروّیں حدیث ۱۷ ۔
ثقۃ الاسلام نے اور شیخ ابوجعفر طوسی نے زرارہ سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے

خدمت میں ابو جعفر علیہ السلام کے عرض کی کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ مسح سر اور بعض رجلین پر چاہیے یہ کہاں سے ارشاد فرماتے ہیں اور دلیل اس کی کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے اور کتاب خدا اس بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ فاغسلوا وجوھکم پس اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ کل منھ دھونا چاہیے۔ پھر فرمایا وایدیکم الی المرافق پھر درمیان دو کلاموں کے فاصلہ دیا اور فرمایا وامسحوا برؤسکم پس ہم نے برؤسکم فرمانے سے جان لیا کہ مسح بعض سر پر کرنا چاہیے کیونکہ ہی بار تبعیضیہ ہے، پھر رجلین کو خداوند عالم نے رؤس سے وصل کیا جسطرح کہ یدین کو وجہ سے وصل کیا ہے پس فرمایا وارجلکم الی الکعبین پس بسبب وصل کرنے رجلین کے راس سے ہم نے جان لیا کہ بعض رجلین پر مسح چاہیے اور یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں سے بیان فرمائی مگر لوگوں نے اسے ضائع کیا تا آخر حدیث۔ **اٹھارویں حدیث** شیخ صدوق نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ اس نے ابو جعفر علیہ السلام سے سوال کیا کہ مجھے خبر دیجیے منھ کی حد سے جس قدر کہ خدا تعالے نے وضو میں دھونے کو واجب فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا وہ منھ کہ خدا نے اس کا دھونا واجب فرمایا ہے اور کسی کو سزاوار نہیں کہ اس سے زیادہ دھوئے اور اس سے کم بھی نہیں دھو سکتا۔ اگر زیادہ دھوئے گا ثواب نہیں اور کم دھوئے گا تو گنہگار ہے اس قدر ہے کہ جسے بیچ کی انگلی اور انگوٹھا گھیرے سر کے بالوں کی انتہا سے ٹھوڈی تک اور اسی قدر منھ ہے اس کے ماسوا منھ میں داخل نہیں ہے راوی نے عرض کی آیا صدغ (یعنے کنپٹی کے بال جنہیں گیسو کہتے ہیں) منھ میں داخل ہیں حضرت نے فرمایا کہ نہیں زرارہ نے عرض کی جس کو بال احاطہ کریں اس کا کیا حکم ہے آپ نے

فرمایا کہ جس مقام پر بال احاطہ کئے ہوئے ہوں بندوں پر ضرور نہیں کہ اس تجسس کریں بلکہ
فقط پانی بہانا اس پر کافی ہے۔ اور ہاتھ دھونے کی حد کہنی سے انگلیوں کے آخر تک ہے
اور حد مسح سر کی یہ ہے کہ پیش سر کو ملی ہوئی تین انگلیوں سے مسح کرے اور حد مسح پا کی یہ
ہے کہ کفِ دست کو پاؤں کی انگلیوں کے آخر پر رکھے اور کعبین تک کھینچے اور پہلے داہنے
پاؤں کو مسح کرے پھر بائیں پاؤں کو اس تری سے جو ہاتھوں میں باقی ہو بغیر تازہ
پانی لینے کے الحدیث۔ **انیسویں حدیث** شیخ طوسی نے احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی
سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوالحسن الرضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ قدمین
پر کس طرح مسح کرنا چاہیئے۔ پس حضرت نے کفِ دست کو پاؤں کی انگلیوں پر رکھا اور کعبین
تک ظاہرِ قدم تک مسح فرمایا میں نے عرض کی اگر کوئی کہے کہ دو انگلیوں سے اس طرح مسح
کریں آپ نے فرمایا۔ نہیں مسحِ پا بغیر کفِ دست کے صحیح نہیں ہے۔ **بیسویں حدیث**
صدوق نے ابوجعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا آپ نے متابعت کر تو وضو میں
جس طرح سے خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے (یعنے ترتیب سے بجالا) پہلے منہ سے شروع کر پھر ہاتھوں
کو دھو پھر مسح سر کا اور پاؤں کا کر اور کسی شئے پر کسی شئے کو خلافِ حکمِ خدا مقدم نہ کر پس
قبلِ سر کے کرے تو پھر سر کا مسح کر اور مسح پا کا اعادہ کر شروع کر اس
عضو کو جس کو خدا نے بیان میں شروع کیا ہے۔ **اکیسویں حدیث** صدوقؒ نے صادق علیہ السلام
سے روایت کی ہے فرمایا آپ نے اگر تو سر کا مسح بھول جائے تو سر کا مسح کر اور پھر پاؤں کا مسح کر
وضو کی تری سے پس اگر تری وضو کی ہاتھ میں باقی نہ ہو تو داڑھی کے بالوں میں جو تری ہے
وہ لے کر سر و پا کا مسح کر اگر داڑھی نہ ہو تو ابرو اور پلکوں کی تری نے کو سر و پا پر مسح کر اور اگر

کسی جاری باقی نہ ہو تو وضو کا اعادہ کر۔ **بائیسویں حدیث** شیخ الطائفہ نے غالب بن ہذیل سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے مسح رِجلین کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا کہ ہاں مسح رجلین وہ امر ہے جسے جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں۔

**تیئسویں حدیث** شیخ طوسی نے محمد بن سہل سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ فرمایا، ابو عبداللہ علیہ السلام نے کہ بعض آدمی پر ساٹھ اور ستّر برس گذر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایک نماز بھی اس کی قبول نہیں فرماتا میں نے عرض کی اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس واسطے کہ جس عضو کو حق تعالیٰ نے مسح کرنا واجب کیا ہے اس عضو کو وہ شخص دھوتا ہے۔ اور روایت میں مسح پا کے بارے میں طریق اہل بیت علیہم السلام سے اکثر اس سے ہیں کہ یہ مقام ان کی وسعت رکھے کہ جو شخص سب روائتیں دیکھنا چاہے وہ کتب احادیث ملاحظہ فرمائے میں نے اتنی قدر حدیثوں پر اکتفا کیا ہے۔

**اور مسح کرنا موزوں پر** پس بہ تحقیق کہ ثعلبی نے حضرت امیر علیہ السلام سے ایسی روایت کی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ مسح موزوں پر منسوخ ہو گیا ہے۔ **اور تفسیر کبیر** میں حضرت عائشہ سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ اگر دونوں پاؤں میرے قطع ہو جائیں تو بہتر ہے میرے نزدیک موزوں پر مسح کرنے سے اور اسی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں موزوں پر مسح نہیں کرتا۔ اور سیوطی درمنثور میں لکھتے ہیں کہ طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنے کا ذکر آگے عمر اور سعد اور عبداللہ بن عمر کے ہوا تو حضرت عمر نے کہا کہ سعد تجھ سے فقیہ تر ہے ابن عباس نے کہا یا سعد ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزوں پر مسح

کیا ہے ولاکن آیا حضرت نے بعد نازل ہونے سورۂ مائدہ کے مسح کیا ہے پس بدرستی کہ سورۂ مائدہ ہر شے میں محکمہ ہے اور تمام سوروں کے آخر میں نازل ہوا ہے مگر سورۂ برات پس جب ابن عباس نے یہ بیان کیا تو کسی نے جواب نہ دیا اور شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلبی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا ہم لوگ موزوں پر مسح نہیں کرتے اور میرے دادا نے فرمایا ہے کہ سبقت لے گئی ہے کتابِ خدا موزوں پر (یعنی کتابِ خدا سے مسح موزوں کا منسوخ ہو گیا ہے) اور رقیہ بن مصقلہ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں ابوجعفر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند باتیں پوچھیں حضرت نے فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو وہ شخص ہے جو مسجدِ عراق میں فتوئی دیا کرتا ہے میں نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا تو کس سے قرابت رکھتا ہے میں نے عرض کی میں صعصعہ کا چچازاد بھائی ہوں آپ نے فرمایا مرحبا اے صعصعہ کے چچازاد بھائی۔ میں نے عرض کی آپ موزوں پر مسح کرنے میں کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ عمر کے نزدیک تین دن مسافر کے لئے اور ایک رات دن مقیم کے لئے جائز تھا۔ اور میرے پدر بزرگوار کے نزدیک ہرگز جائز نہ تھا نہ سفر میں نہ حضر میں۔ پس جب میں حضرت کے پاس سے اٹھا اور دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑا ہوا تو حضرت نے مجھے آواز دی اور طلب فرمایا کہ لوگ اپنی رائے سے کہتے تھے اور رائے میں خطا بھی ہوتی تھی۔ اور میرے پدر ہرگز رائے سے نہیں کہتے تھے۔ اور زرارہ رحمۃ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ ابوجعفر علیہ السلام فرماتے تھے کہ عمر بن الخطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو جمع کیا کہ ان میں علی علیہ السلام بھی تھے پس عمر نے کہا تم لوگ موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں

کیا کہتے ہو مغیرہ بن شعبہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ علیؑ نے فرمایا قبلِ نزول سورۃ مائدہ کے یا مابعد، مغیرہ نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں علیؑ نے کہا کتابِ خدا نے مسح موزوں کا منسوخ کیا ہے اور سورۃ مائدہ سرورِ کائنات علیہ وآلہ الصلوات والتحیات کے وفات سے دو یا تین مہینے پہلے نازل ہوا ہے۔ اس تعداد میں بعض راویوں نے شک کیا ہے۔ اور ابوالورد سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے کہا کہ ابوظبیان نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میں نے علی علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ آپ نے پانی ڈالا اور موزوں پر مسح کیا پس ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ جھوٹ کہا ابوظبیان نے۔ کیا قول علی علیہ السلام کا جو مشہور ہے تجھے نہیں پہونچا آپ کا قول ہے سبق الکتاب الخفین یعنے کتابِ خدا نے مسح موزوں کا منسوخ کیا ہے، الحدیث یہ سب حدیثیں شیخ ابوجعفر طوسی نے روایت کی ہیں۔

اور میں نے بعض روایت میں دیکھا ہے کہ امام علی بن موسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں قوم سے خلاف کیا۔ پس عمر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے، امیر المومنینؑ نے کہا آیا قبل نزول سورۃ مائدہ کے یا بعد عمر نے کہا مجھے معلوم نہیں امیر المومنین نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزول مائدہ کے بعد موزوں پر مسح نہیں کیا، اور روایتیں مثل اس کے ہماری کتابوں میں بہت ہیں جو شخص چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔

# دوسری حجت

دوسری حجت بیان میں ان روایات کے ہے جو نماز سے متعلق ہیں اس میں کئی براہین ہیں۔ پہلی برہان بیان میں اوقات نماز کے ہے اور اس میں ثبوت اس امر کا ہے کہ دو نمازوں کو جمع کرنا بغیر عذر کے وطن میں سنت ہے۔ بخاری اپنی صحیح باب وقت الظہر عند الزوال میں لکھا ہے کہ جابر نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز بوقت ہاجرہ پڑھتے تھے انتہا اور ہاجرہ نصف النہار کو کہتے ہیں اور لفظ کان جو اس حدیث میں ہے وہ استمرار پر دلالت کرتا ہے اور ترمذی نے اپنی صحیح میں زہری سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ [illegible] مجھے انس بن مالک نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ظہر بوقت زوال آفتاب ادا کی ابو عیسیٰ الترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں یہ سب میں اچھی حدیث یہی ہے اور نسائی نے اپنی صحیح میں ابو سلمہ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ زمانے میں عمر بن عبد العزیز کے ہم نے نماز پڑھی اور انس بن مالک کے پاس آئے دیکھا کہ انس نماز پڑھتا ہے جب فارغ ہوا تو پوچھا آیا تم نے نماز پڑھی ہے ہم نے کہا کہ ہاں ہم نے نماز ظہر پڑھی ہے۔ انس نے کہا کہ میں نے نماز عصر پڑھی ہے۔ سب نے کہا تم نے جلدی کی انس نے جواب دیا جس طرح میں نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح میں نے بھی نماز پڑھی ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح نسائی میں ابو امامہ بن سہل سے مروی ہے وہ کہتا ہے ہم نے عمر بن عبد العزیز کے ساتھ نماز ظہر ادا کی پھر ہم انس کے پاس آئے تو انس کو عصر پڑھتے ہوئے پایا میں نے کہا اے چچا یہ کونسی نماز ہے جو تم نے پڑھی کہا عصر اور یہ نماز

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہے جو ہم پڑھتے تھے۔ اور لفظ کُنّا جو اس حدیث میں ہے ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے اور صحیح ترمزی میں ہے کہ علا ابن عبدالرحمٰن انس ابن مالک کے گھر میں جو بصرہ میں تھا آیا جس وقت کہ انس ظہر سے فارغ ہوا اور گھر اس کا مسجد کے پہلو میں تھا پس انس نے کہا کہ اٹھو اور نماز عصر پڑھو راوی کہتا ہے کہ ہم اٹھے اور نماز ادا کی تا آخر حدیث ترمزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حَسن صحیح ہے۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز ظہر و عصر کی اور مغرب و عشا کی ملا کر پڑھی بغیر خوف و سفر کے اور مسلم نے اپنی صحیح میں باب الجمع بین الصلوتین فی السفر والحضر میں ابوالزبیر سے اس نے سعید ابن جبیر سے اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز ظہر و عصر کی مدینہ میں بغیر خوف و سفر کے ملا کر پڑھی ابوالزبیر کہتا ہے کہ میں نے سعید سے سوال کیا کہ حضرت صلعم نے کیوں دونوں نمازیں ملا کر پڑھیں سعید نے کہا کہ میں نے بھی اسی طرح ابن عباس سے پوچھا تھا ابن عباس نے جواب دیا حضرت صلعم چاہتے ہیں کہ کسی شخص پر امت میں سے حرج نہ ہو۔

پھر مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نماز ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو ملا کر پڑھا بغیر خوف اور بارش کے راوی نے ابن عباس سے پوچھا کہ حضرت صلعم نے نمازیں ملا کر کیوں پڑھیں ابن عباس نے کہا اس واسطے کہ امت حرج نہ اٹھائے اور طبرانی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نماز ظہر و عصر کی اور نماز مغرب و عشا کی ملا کر پڑھی۔

پس لوگوں نے حضرتؐ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا اس واسطے کہ میری امّت کو حرج نہ ہو۔ اور بخاری[1] نے اپنی صحیح میں باب تاخیر الظہر الی العصر میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں نماز کی آٹھ رکعتیں اور سات رکعتیں پڑھیں یعنے ظہر و عصر ملا کر اور مغرب و عشا ملا کر ۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں عمرو بن دینار سے اس نے ابو الشعثا سے اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آٹھ رکعتیں ملا کر اور سات رکعتیں ملا کر پڑھیں۔ پس لوگوں نے حضرتؐ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا اس واسطے کہ میری امّت کو حرج نہ ہو اور بخاری نے اپنی صحیح میں باب تاخیر الظہر الی العصر میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں نماز کی آٹھ رکعتیں اور سات رکعتیں پڑھیں یعنے ظہر و عصر ملا کر اور مغرب و عشا ملا کر ۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں عمرو بن دینار سے اس نے ابو الشعثا سے اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آٹھ رکعتیں ملا کر اور سات رکعتیں ملا کر پڑھیں عمرو بن دینار کہتا ہے کہ میں نے ابو الشعثا سے کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرتؐ نے ظہر کی نماز میں تاخیر کی ہے اور عصر میں جلدی اور مغرب میں تاخیر کی ہے اور عشا میں جلدی ابو الشعثا نے کہا کہ میرا بھی یہی گمان ہے اور یہ بھی مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی مدینہ میں سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں یعنے ظہر و عصر اور مغرب و عشا اور پھر مسلم نے اپنی صحیح میں

---

صہ ۵۳

جلد اول چھاپہ بمبی۔ ایضاً صہ ۵۴

ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی مدینہ میں سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں یعنے ظہر و عصر اور مغرب و عشا اور پھر مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے کہ ایک روز ابنِ عباس نے ہمارے روبرو خطبہ پڑھا عصر کے بعد یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ستارے ظاہر ہوئے اور لوگ الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ کہنے لگے پس ایک مرد بنی تمیم سے ابن عباس کے نزدیک آیا۔

اور کہتا تھا الصلوٰۃ الصلوٰۃ - ابنِ عباس نے کہا کہ آیا تو مجھے سنت تعلیم کرتا ہے لا اُمّ لک پھر کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جمع کیا۔ آپ نے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو عبداللہ بن شقیق کہتا ہے کہ میرے دل میں اس بات کا ایک کھٹکا رہا پس میں ابوہریرہ کے پاس اور وہ کیفیت بیان کی۔

ابوہریرہ نے ابن عباس کے قول کی تصدیق کی۔ اور پھر مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس سے کہا الصلوٰۃ ابن عباس چپ ہوئے پھر اس نے کہا الصلوٰۃ پھر چپ ہوئے پھر اس نے کہا الصلوٰۃ تب ابن عباس نے کہا لا اُمّ لک آیا تو مجھے نماز کی تعلیم دیتا ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دو نمازیں ملا کر پڑھا کرتے تھے انتہا اور لفظ کنّا جو اس حدیث میں وارد ہے وہ استمرار یعنی دوام پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر نے کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں شرح کے اس قول کے جو بخاری نے کہا ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اغتسل من الجنابۃ دعی بشیء نحو الحلاب - لکھا ہے کہ لفظ کان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت صلعم ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے۔ کیونکہ کان

استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ صلعم ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے۔ کیونکہ کان استمرار پر

اور ابن حجر نے اسی کتاب میں دوسرے مقام پر بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔ اور رسالہ غایۃ الاعذار میں مرقوم ہے کہ طحاوی نے بطریق ربیع بن یحییٰ روایت کی ہے ثوری سے اور اس نے ابن منکدر سے اس نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو ملا کر پڑھا مدینہ میں واسطے آسانی کے بغیر خوف و علّت کے۔ زرکشی نے کہا ہے کہ سند اس حدیث کی صحیح ہے کیونکہ ربیع وہ شخص ہے جس سے بخاری نے روایت کی ہے اور باقی راوی اس کے مشہور ہیں اور عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو ملا کر پڑھا اور وہ حضرتؐ مسافر نہ تھے۔ پس کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ حضرتؐ نے ایسا کیوں کیا۔ ابن عمر نے کہا اس واسطے کہ امت کو حرج نہ ہو اور مثل اسی روایت کے ابن مسعود سے منقول ہے جیسے طبرانی نے روایت کیا ہے انتہا۔ پس جاننا کہ یہ روایتیں صحاح اہل سنت کی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا حضر میں بغیر عذر کے جائز ہے پس لوگوں نے اہلبیت علیہم السلام کی مخالفت کے لئے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور اپنے صحاح روایات کے بھی مخالف ہوئے۔ اور جو حاکم نے مستدرک میں حنش سے اور اس نے عکرمہ سے اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص بغیر عذر کے دو نمازیں ملا کر پڑھے اس نے ایک گناہ کبیرہ کیا۔ پس یہ حدیث جھوٹی ہے اور ابن عباس پر افترا کی گئی ہے اور احادیث صحیحہ کی معارض ہے اور

حنس بیان حدیث میں کذاب ہے ہر چند حاکم نے اس کی توثیق کی ہے مگر اور محدثین نے تضعیف کی ہے اور کسی نے حاکم کی موافقت نہیں کی ہے چنانچہ تضعیف کی ہے حنس کی امام احمد حنبل اور نسائی اور دار قطنی نے جیسا کہ ذہبی کی تنقیح و تحقیق میں ہے۔ اور بیہقی کہتا ہے کہ حنس اس حدیث میں منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ اس سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ اور دار قطنی کہتا ہے حنس کہ ابو رجبی ہے متروک ہے پس یہ حدیث صلاحیت حجت کی نہیں رکھتی اور غایۃ الاغفار میں ہے کہ عبدالرزاق نے ابن جریح سے اس نے عطا سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ فوت نہیں ہوتی نمازوں کی یعنے ظہر و عصر کی رات تک اور نماز رات کی یعنے مغرب و عشا کی صبح تک اور نماز صبح کی طلوع آفتاب تک اور عبدالرزاق نے ابن جریح سے اس نے طاؤس سے مثل اس کے روایت کی ہے اور عبدالحق دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں کہتے ہیں " اختلاف کردہ اند علماء پس بعضی قائل شدہ اند بجواز جمع بین الصلوٰتین علی الاطلاق و امام شافعی از انہا نیست و مشہور از مذہب امام احمد جواز است مطلقاً انتہا منتخباً ۔

دوسری برہان اثبات میں اس امر کے ہے کہ نماز پڑھنا حصیر پر سنت ہے سنن نبویہ سے اور جلدی کرنا چلنے میں نماز کی طرف ممنوع ہے۔

جمع بین الصحیحین میں مفردات مسلم میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ وہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ حضرت حصیر پر نماز پڑھ رہے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں اور ترمذی نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خمرہ پر یعنے چھوٹی حصیر پر نماز پڑھتے تھے۔

ترمذی کہتا ہے کہ اس باب میں اُم حبیبہ، ابن عمر، اُم سلیم، عائشہ، میمونہ، ام کلثوم بنت ابوسلمہ اور اُم سلمہ سے روایتیں منقول ہیں اور حدیث ابن عباس حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے اور احمد و اسحٰق نے کہا ہے کہ نماز پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خمرہ پر ثابت ہے۔ اور ترمذی کہتا ہے کہ خمرہ چھوٹی حصیر کو کہتے ہیں اور ترمذی نے اپنی صحیح میں ابوسعید سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصیر پر نماز پڑھی۔ ترمذی کہتا ہے کہ اس باب میں انس اور مغیرہ سے روایتیں منقول ہیں اور حدیث ابوسعید حسن ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے مگر بعض اہل علم نے زمین پر نماز پڑھنے کو استحباباً اختیار کیا ہے انتہے اور بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن ابی قتادہ سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ناگاہ آدمیوں کے غُل کی آواز آئی پس جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا حالت تھی انہوں نے عرض کی کہ ہم نے نماز کی طرف چلنے میں جلدی کی (یعنی دوڑ کر آئے) حضرتؐ نے فرمایا ایسا نہ کرنا چاہیئے بلکہ جب نماز کی طرف چلو تو آہستگی سے چلو پس جس قدر نماز جماعت سے ملے پڑھو اور باقی علٰحدہ تمام کرو۔ اور صحیح بخاری میں ابوہریرہ سے منقول ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم اقامہ کو سنو تو نماز کی طرف چلو اور ضرور ہے تم کو آہستگی اور وقار اور جلدی نہ کرو۔ جس قدر نماز جماعت سے ملے ادا کرو اور باقی خود تمام کرو۔

---

صفحہ ۶۱ جلد اول چھاپہ بمبئی۔ صہ ۶۱ جلد اول

تیسری برہان بیان میں اس امر کے ہے کہ حضرت عمر نے اذان میں اپنی طرف سے الصلوٰۃ خیر من النوم کو داخل کیا اور وہ بدعت ہے۔ اور حیّ علی خیر العمل کہنا جو اذان میں سُنّت تھا اسے ساقط کیا (یہ دوسری بدعت ہے)، محمد بن حسن نے کتاب موطا میں کہا ہے کہ خبر دی ہمیں مالک نے خبر دی ہمیں نافع نے ابن عمر سے بدرستیکہ وہ اذان میں تین مرتبہ تکبیر۔ اور تین مرتبہ شہادتین کہتے تھے اور جس وقت کہ حیّ علی الفلاح کہتے تھے تو اس کے بعد حیّ علیٰ خیر العمل کہتے تھے اور یہ سند ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اور محمد بن جریر طبری شافعی نے اپنی کتاب میں عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ کہا انہوں نے کہ تین امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں تھے اور میں انہیں حرام کرتا ہوں اور جو شخص انہیں بجالائے اسے سزا دوں گا۔ مُتعۃ الحج اور متعۃ النسا اور اذان میں حیّ اللہ خیر العمل کہنا۔ اور مثل اس روایت کے مولوی سلیمان نے کہ علمائے حدیث اہلِ سُنّت سے ہیں اور شیخ عبدالحق دہلوی کے شاگرد ہیں کتاب مباحث الالماہر میں لکھا ہے اور اس کی تضعیف نہیں کی۔

اور موطا میں امام مالک سے مروی ہے کہ ایک روز موذن حضرت عمر کے پاس آیا تا انہیں نماز سے آگاہ کرے دیکھا کہ حضرت عمر سو رہے ہیں، موذن نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم پس عمر نے موذن کو حکم کیا کہ اس فقرہ کو صبح کی اذان میں داخل کرے اسی طرح مشکوۃ میں ہے مصنفِ کتاب ہذا اعلی اللہ مقامہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے خود اس حدیث کو کتاب موطا میں دیکھا ہے اور الفاظ اس کے اس طرح پر ہیں حدثنی مالک انہ بلغہ ان المؤذن جاء عمر بن الخطاب یوذنہ الصلوٰۃ الصبح فوجدہ

نائماً فقال الصلوٰۃ خیر من النوم فامرہ ان یجعلہا فی نداء الصبح اور قائل حدثنی کا اس کتاب میں یحییٰ بن یحییٰ ہے کہ اس نے یہ کتاب مالک سے روایت کی ہے جیسے خالد الحذاء نے بھی کتاب موطا مالک سے روایت کی ہے اور محمد بن حسن شاگرد ابی حنیفہ نے بھی یہ کتاب امام مالک سے روایت کی ہے اور نسخہ یحییٰ کا تمام نسخوں میں موطا کے صحیح تر ہے جیسا کہ علمائے اہل سنت نے تصریح کی ہے اور جس روایت کو صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے وہ نسخہ موطائے خالد الحذاء سے ہے۔

اور سید جمال الدین عطاء اللہ محدث کتاب روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ

"امام مالک در کتاب موطا کہ احادیث جمع نمودہ در بلاغات خویش آوردہ یعنی کہ در زمان امیر المومنین عمر بن خطاب موذن نزد او آمد کہ او را نماز صبح خواند خلیفہ را در خواب یافت گفت الصلوٰۃ خیر من النوم امیر المومنین عمر بیدار شد و موذن را فرمود تا آن کلمہ را داخل بانگ نماز گرداند" ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ عمر نے اذان میں دو بدعتیں کیں ایک یہ کہ حی علی خیر العمل کہ جو اذان میں تھا اسے ساقط کیا دوسرے یہ کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کو اذان میں داخل کیا۔

**چوتھی برہان** اثبات میں اس امر کے ہے کہ عثمان نے دو امر مسنون کو سنت ہائے نبویہ سے ترک کیا یعنی تکبیر اور رفع یدین ہر تکبیر نماز میں۔

جاننا چاہیئے کہ جب حضرت عثمان نے ان دونوں امور مسنونہ مؤکدہ کو ترک کیا تو ان کے معتقدین تابعین نے بھی اس میں پیروی کی جیسے حضرت عمر کی متابعت میں لوگوں نے مسح پا اور متعۃ الحج اور متعۃ النساء کو ترک کیا اور حی علی خیر العمل کو اذان سے ساقط کیا اور غسل پا پر عمل ہوئے اور الصلوٰۃ خیر من النوم کو اذان میں داخل کیا پس

یہی اعمال شائع اور مشہور ہوئے یہاں تک کہ نماز ضائع ہوئی اور سنّت ترک ہوئی اور یہ نوبت پہونچی کہ اگر کوئی نماز میں تکبیریں کہتا تو لوگ اس کی طرف حمق کی نسبت دیتے تھے چنانچہ عکرمہ سے منقول ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک شیخ کے پیچھے مکّہ میں نماز پڑھی پس شیخ نے بائیس تکبیریں کہیں میں نے ابن عباس سے کہا کہ یہ شخص احمق ہے۔ ابن عباس نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے یہ سُنّتِ ابو القاسم صلی اللہ علیہ و آلہ کی ہے۔ روایت کیا ہے اس کو بخاری نے اپنی صحیح میں اسی طرح مشکوٰۃ میں ہے۔ اور شیخ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں بروایت احمد بن حنبل مطرف سے ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ہم نے عمران بن حصین سے کہا کہ یا ابا نجید وہ کون ہے جس نے پہلے تکبیر کو ترک کیا ہے۔ اس نے کہا عثمان بن عفان نے ترک کیا۔ جس وقت کہ تکبیر کہتے تھے اور آواز میں طاقت نہ تھی۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس روایت سے ترکِ جہر کا احتمال ہوتا ہے۔ انتہے جاننا چاہیے کہ اس روایت سے فقط ترکِ جہر کا احتمال نہیں ہے بلکہ صاف متبادر ہے کہ پہلے تکبیر کے وقت حضرت عثمان کی آواز نے ناطاقتی کی اور وہ ناطاقتی ترکِ تکبیر کا مقدمہ ہوئی کہ پھر انہوں نے تکبیر کو مطلق ترک کیا۔ اس لئے کہ اس روایت میں وارد ہے کہ راوی نے عمران بن حصین سے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے جس نے پہلے تکبیر کو ترک کیا اس نے جواب دیا کہ عثمان نے ترک کیا اور راوی نے یہ نہیں پوچھا کہ پہلے کس نے تکبیر میں جہر کو ترک کیا۔ ہے کہ اول معاویہ نے تکبیر کو ترک کیا ہے۔ اور ابو عبید نے روایت کی ہے کہ اول زیاد نے تکبیر کو ترک کیا۔ اور شیخ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ یہ دو روایتیں روایتِ اولیٰ کی منافی نہیں ہیں کیونکہ زیاد نے بترک معاویہ تکبیر کو ترک کیا تھا اور معاویہ نے

بترک عثمان انتہے۔

اور کتاب موطائے مالک بروایت محمد بن حسن صاحب ابی حنیفہ علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں جھکتے تھے تکبیر کہتے تھے اور جب سر اٹھاتے تھے تکبیر کہتے تھے۔ پس اسی طرح نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ انتقال فرمایا۔ انتہے۔

اور ترمزی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ ہر جھکنے اور سیدھے ہونے اور قیام و قعود میں نماز کے تکبیر کہتے تھے اسی طرح ابوبکر و عمر ترمزی کہتا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جب اس حدیث میں ابن مسعود نے حضرت عثمان کا ذکر نہ کیا تو معلوم ہوا کہ سب سے پہلے انہیں حضرت نے تکبیر کو ترک کیا ہے۔ یہ امر تو ترک تکبیر کا تھا۔

لاکن ترک کرنا رفع یدین کو ہر تکبیر کے وقت پس اس کو بھی پہلے عثمان نے ترک کیا جس وقت کہ تکبیر کو ترک کیا تھا اور ان کے معتقدین سے تکبیروں کو اور ہاتھ اٹھانے کو ترک کیا تھا اور ان کے معتقدین نے متقدمین سے تکبیروں کو اور ہاتھ اٹھانے کو ترک کیا اور متاخرین نے ترک تکبیرات میں مخالفت کی اور ترک رفع یدین میں اکثر نے موافقت کی۔ ہاں اب ایک تکبیرۃ الاحرام میں ہاتھ اٹھاتے ہیں مگر کیفیت اس کی بھی خلاف حدیث ہے کیونکہ یہ لوگ جب نماز شروع کرتے ہیں تو پہلے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو کان کی لووں پر رکھتے ہیں اور نیت میں ایک لمبی چوڑی عبارت پڑھتے ہیں اور اس وقت تک انگوٹھے اسی طرح رہتے ہیں۔ پھر تکبیر کہہ کے ہاتھ چھوڑ کر ناف

کے نیچے باندھتے ہیں پس ہاتھ بوقت تکبیر چھوڑنا خلاف ہے ہاتھ اٹھانے کا اور یہ بھی

بھی ایک بدعت ہے اور بخاری نے اپنی صحیح[1] میں نافع سے روایت کی ہے بدرستیکہ

عبداللہ بن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تھے تکبیر کہتے تھے اور دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے

اور جب رکوع کرتے تھے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ،

کہتے تھے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور جب رکعتوں سے اٹھتے تھے ہاتھ اٹھاتے

منقول ہے کہ کہا ابن عمر نے کہ "رفع یدین زینت نماز کی ہے پس اگر کوئی روایت کرے

کہ عبداللہ ابن عمر کو کسی نے نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے مگر

تکبیرۃ الاحرام کے وقت تو وہ جھوٹا ہے اور روایت بخاری کا خلاف کیا ہے اور مخفی

نہیں ہے کہ نافع غلام ابن عمر کا تھا اور ہمیشہ ان کی خدمت میں رہتا تھا پس روایت

نافع کی دوسروں کی روایت سے بہتر ہے۔ اور ایضاً روایت مثبتہ روایت نافیہ

سے اولی ہے۔ اور جو ابن مسعود سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا آیا میں مثل نماز رسول اللہ

کے نماز پڑھوں پھر ابن مسعود نے رفع یدین نہیں کیا مگر ایک مرتبہ۔ پس امام احمد[1]

اور ان کے شیخ[2] یحییٰ بن آدم اور بخاری[3] اور ابوداؤد[4] اور ابو حاتم[5] اور دار قطنی[6]

اور دارمی[7] نے اور بیہقی[8] اور حمیدی[9] نے اس روایت کی تضعیف کی ہے اور جو ابن مسعود

سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اور پیچھے ابوبکر و عمر کے بارہ برس اور پانچ مہینے اور پیچھے عثمان کے بارہ برس

---

[1] صحیح۔ جلد اول چھاپہ بمبئی ص ۷۔

اور پیچھے علیؑ کے کوفہ میں پانچ برس نماز پڑھی ہے مگر کسی نے ہاتھ نہ اٹھائے الّا تکبیر الاحرام میں پس یہ روایت بھی موضوع ہے اور اس کو اصبغ بن خلیل مالکی نے وضع کیا ہے اور اسناد کیا ہے نمازی بن قیس سے اس نے سلمہ بن وردان سے اس نے ابن شہاب زہری سے اس نے ربیع بن خیثم سے اس نے ابن مسعود سے اور جھوٹ اس کا کئی مقام سے ظاہر ہے اول یہ کہ سلمہ بن وردان نے ربیع بن خیثم سے کوئی روایت نہیں کی دوسرے یہ کہ ابن مسعود نے زمانہ خلافت عثمان میں انتقال کیا بالاجماع پھر وہ حضرتِ امیرؑ کے پیچھے کوفہ میں کیونکہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ ابن مسعود نے عمر و عثمان کے پیچھے کبھی نماز نہیں پڑھی مگر کم کیونکہ زمانہ خلافت ان دونوں صاحبوں کے ابن مسعود اکثر کوفہ میں رہتے تھے۔ پس یہ حال ہے اہلِ سنت کے علما کا کہ اپنے خلفا کی نصرت میں اور اپنے مذہب کی تائید میں ایسی جھوٹی حدیثیں بناتے ہیں اور اسی لئے بخاری نے کہا ہے کہ کسی صحابی سے ترکِ رفع یدین ثابت نہیں ہے اور رفع یدین کی حدیثوں کی سندیں اصح ہیں۔ جب کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور بخاری نے اپنی صحیح میں ابو قلابہ سے روایت کی ہے کہ اس نے مالک بن حویرث کو دیکھا کہ جب نماز شروع کی تکبیر کہی اور ہاتھ بلند کئے اور جب ارادہ کیا کہ رکوع کرے ہاتھ بلند کئے اور جب رکوع سے سر اٹھایا دونوں ہاتھ بلند کئے اور روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

---

صہ جلد اول چھاپہ بمبئی صہ ۶۹

اور پھر بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ آپ نے شروع نماز میں تکبیر کہی اور ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ کاندھے کے برابر ہوئے اور جب رکوع کے واسطے تکبیر کہی تو ویسا ہی کیا اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا اسی طرح ہاتھ اٹھائے اور فرمایا ربنا لک الحمد۔ اور جب سجدہ کرتے تھے اور سجدہ سے سر اٹھاتے تو ایسا نہیں کرتے تھے۔ انتہے۔ یہ روایتیں صحیح بخاری کی ہیں جس سے ظاہر اور ثابت ہے کہ رفع یدین نماز میں سنت ہے لاکن وہ جو ابن عمر نے ذکر کیا کہ حضرتؐ سجدہ کے وقت اور سجدہ سے سر اٹھانے کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے تو یہ امر بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ ابن عمر نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجب میں عمرہ بجالائے چنانچہ آیندہ اس کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور ایضاً یہ شہادت علی النفی ہے اور شہادت علی النفی، (بقول صاحب تحفہ) مقبول نہیں اور کئی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں جب سجدہ کرتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے ہاتھ بلند کرتے تھے۔ چنانچہ نسائی نے اپنی صحیح میں مالک بن حویرث سے روایت کی ہے بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تھے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور جب رکوع کرتے تھے ہاتھ اٹھاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے ایسا ہی کرتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے ایسا ہی کرتے تھے یعنے

---

جلد اول ص ۶۹

دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے انتہے۔ اور پوشیدہ نہیں ہے کہ استعمال کان اور اس کے امثال کا واسطے افادہ استمرار و دوام کے ہوتا ہے۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں رفع یدین بر سبیل استمرار و دوام فرماتے تھے۔

اور شیخ الاسلام نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جب احادیث پر میں مطلع ہوں رفع یدین فی السجود کے بارے میں ان میں سے اصح وہ روایت ہے جسے نسائی نے سعید بن ابی عروبہ سے اس نے قتادہ سے اس نے نصر بن عاصم سے اس نے مالک بن حویرث سے روایت کیا ہے کہ بدرستیکہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو دیکھا کہ نماز میں جب رکوع کرتے تھے اور رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور جب سجدہ کرتے تھے۔ کے برابر ہاتھ آتے تھے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ اس روایت میں سعید منفرد نہیں ہے بلکہ متابعت کی ہے اس کی ہمام نے قتادہ سے نزدیک ابو عوانہ کے اس کی صحیح میں انتہے

پس یہ حدیث اور دوسری حدیثیں جو اس کی مثل ہیں وہ امام شافعی پر حجۃ ہیں۔ کیونکہ سجود میں رفع یدین کو انہوں نے ترک کیا ہے اور اسی لئے ایک جماعۃ نے ان کے تابعین سے اس امر میں ان کی مخالفت کی ہے۔ اور جو لوگ قائل ہوئے ہیں کہ رفع یدین فی السجود پر صحاح اخبار دلالت کرتے ہیں ان میں سے ابن خزیمہ[1] اور ابن المنذر[2] اور ابو علی الطبری[3] اور بیہقی[4] اور بغوی[5] ہے جیسا کہ فتح الباری میں اس کی تصریح ہوئی ہے۔

اور کنز الوصول شرح حرز الاصول میں ہے کہ حدیث رفع یدین کو پچاس اصحاب نے روایت کیا ہے۔ اور شیخ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ شیخنا ابو الفضل الحافظ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے رفع یدین کے راویوں کی تتبع کی تو پچاس راویوں تک نوبت پہونچی۔

اور پھر ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری نے ذکر رفع یدین میں کہا ہے کہ جو کہتا ہے کہ رفع ید میں ما کہا ہے کہ جو کہتا ہے کہ رفع یدین بدعت ہے پس یہ تحقیق کہ اس نے صحابہ پر طعن کیا ہے اس لئے کہ کسی صحابی سے ترک رفع یدین ثابت نہیں ہوا اور کوئی سند حدیث رفع یدین کی سند سے صحیح تر نہیں ہے اور پھر ابن حجر کہتے ہیں کہ ربیع نے کہا کہ میں نے امام شافعی سے سوال کیا کہ رفع یدین سے کیا غرض ہے شافعی نے جواب دیا کہ اس میں خدا کی تعظیم اور طریقہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کی پیروی ہے۔ اور ابن عبد البر نے ابن عمر سے نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رفع یدین زینت نماز کی ہے اور عقبہ بن عامر سے منقول ہے کہ جب نمازی ہاتھ اٹھائے تب دس ثواب حاصل ہوتے ہیں۔ ہر انگلی سے ایک ثواب یہ سب فتح الباری میں ہے اور شیخ جلال الدین **سیوطی** نے رسالہ قطف الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ میں ذکر کیا ہے کہ حدیث رفع یدین متواترات سے ہے۔ پس افسوس ہے اُن کے حال پر جنہوں نے شریعت محمدی کو ضائع اور طریقۂ نبوی کو جو متواترات سے ثابت ہے ترک کیا اور محض مخالفت اہلبیت علیہم السلام کے لئے ایسے امور کے متحمل ہوئے حالانکہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے متابعت قرآن و اہل بیتؑ کی تاکید فرمائی ہے جو حدیث ثقلین سے کہ متواتر ہے ظاہر ہے۔

اور **مقاتل** بن حبان نے اصبغ بن نباتہ سے اس نے علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ آپ نے کہ جب یہ آیت یعنے فصل لربک وانحر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ پر نازل ہوئی تو حضرت نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا نحر ہے جس کا مجھ کو خدا نے حکم فرمایا ہے کہ جبرئیلؑ نے کہا یہ نحر نہیں ہے بلکہ خدا آپ کو حکم فرماتا ہے کہ جب

آپ نماز کے لئے نحر کریں یعنے نماز شروع کریں تو دونوں ہاتھ اٹھائیں اور جس وقت تکبیر
اور جس وقت رکوع سے سر اٹھائیں اور جس وقت سجدے سے سر اٹھائیں پس بدرستیکہ
نماز ملائکہ کی ساتوں آسمانوں میں اسی طرح ہے اور یہ تحقیق کہ ہر شئے کے لئے ایک زینت ہے۔
اور زینت نماز کی ہاتھ بلند کرنا ہے۔ ہر تکبیر کے وقت الحدیث لکھا ہے اس کو ثعلبی نے
اور واحدی نے اپنی تفسیروں میں اسی طرح ذکر کیا ہے اس کو کنز العرفان میں اور بعض
کہتے ہیں اس حدیث کو عمر بن صبیح نے مقاتل پر وضع کیا ہے۔ پس اسرائیل نے عمر بن صبیح سے
روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ توہم قائل کا ہے اور حقیقت میں ایسا نہیں کیونکہ اسرائیل
نے خود مقاتل سے اس کو سنا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اس کو لکھا ہے اور اسرائیل اکابر
محدثین سے ہے اور سارق فی الحدیث نہیں اور بغیر سماع صحیح کے کسی سے روایت نہیں کرتا
اور اس کے سوائے اس حدیث کے اور طریق بھی ہیں جن میں عمر بن صبیح اور اسرائیل نہیں ہیں
اور ذہبی کہتا ہے کہ اصبغ نباتہ شیعی اور متروک ہے نسائی کے نزدیک علامہ مصنف
فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اصبغ بن نباتہ ثقہ ہیں اور صدوق ہیں اور اصحاب امیر المومنین علیہ السلام
سے ہیں اور جاں نثار نوجوانان خمسہ (یعنے مقدمہ و قلب و میمنہ و میسرہ و ساقہ) سے اور
بزرگان تابعین سے ہیں اسی لئے اکثر محدثین نے ان سے روایت کی ہے کہ بعض ان میں سے
اسرائیل اور مقاتل ہیں جہاں ہیں اور یہ دونوں اکابر محدثین اہل سنت سے ہیں اور حال
رجال و روایت سے واقف ہیں پس ثابت ہوا کہ وہ حدیث حدیث صحیح ہے اور اس
حدیث کو سیوطی نے درمنثور میں بروایت ابن ابی حاتم[1] و حاکم[2] و ابن مردویہ[3] نقل کیا ہے
اور عبارت درمنثور کی یہ ہے وان لکل شیٔ زینۃ و زینۃ الصلوٰۃ رفع الیدین

عند کمل تکبیرة ... الخ ... اور پھر سیوطی کہتے ہیں کہ ابن مردویہ نے ابن عباس سے

تفسیر قولہ تعالیٰ فصلّ لربّک وانحر میں روایت کی ہے کہ ابن عباس نے کہا بدرستیکہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے جانب وحی کی کہ دونوں ہاتھ اپنے نحر تک (یعنے سینہ تک)

اٹھائے جس وقت کہ نماز کے لئے تکبیر کہے پس یہ نحر ہے۔ یہ حدیث بھی حدیث اصبغ بن

نباتہ کی شاہد ہے اور اس کی صحت پر دال ہے۔

(مترجم کہتا ہے کہ رفع یدین کے بارے میں ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں باب

رفع الیدین میں گیارہ حدیثیں لکھی ہیں جن میں سے چند حدیثوں متفرق کا ترجمہ احقر

یہاں لکھتا ہے **پہلی حدیث** ابوہریرہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں دونوں ہاتھ کاندھوں کے برابر بلند کرتے تھے جب

نماز شروع کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تھے اور جب سجدہ کرتے تھے۔ **دوسری حدیث**

عمیر بن حبیب سے مروی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ ہر تکبیر کے وقت نماز فرض میں

رفع یدین فرماتے تھے۔ **تیسری حدیث** علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تکبیر کہتے تھے اور دونوں ہاتھ کاندھوں

تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع کا قصد کرتے تھے تو ایسا ہی کرتے تھے اور جب رکوع

سے سر اٹھاتے تھے ایسا ہی کرتے تھے اور جب سجدوں سے اٹھتے تھے ایسا ہی کرتے تھے۔

**چوتھی حدیث** ابن عباس سے مروی ہے کہ بہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ہر تکبیر

کے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ انتہیٰ۔ یہ سب حدیثیں صحیح ابن ماجہ سے نقل ہوئی ہیں)

---

ص ۱۳۱، ۱۳۲ مطبوعہ عمدہ المطابع

اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور مشکوٰۃ میں اس کا ذکر ہے کہ کہا علی علیہ السلام نے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور فرماتے تھے۔

وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفاً مسلماً وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہٗ وبذلک امرت وانا من المسلمین الحدیث ———

**پانچویں برہان** بیان میں ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کے بیچ نماز میں **جاننا چاہیے** کہ رکھنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے یا اوپر یا سینہ پر جیسا کہ اس بارے میں اقوال ان کے مختلف ہیں بدعت ہے بدعات بنی امیہ سے اور روایتیں اس بارے میں موضوعات سے ہیں پس بعض ان روایات سے وہ ہے جس سے صاحب ہدایۃ الفقہ متمسک ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ دہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے ناف کے نیچے بہ دلیل قولہ علیہ السلام بدرستیکہ سنت ہے رکھنا دہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے اور یہ حجت ہے مالک پر کہ وہ ہاتھوں کے چھوڑنے کے قائل ہیں اور حجۃ ہے شافعی پر کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں انتہے۔ **اور یہ بات** ظاہر ہے کہ امام مالک و شافعی تو ایک طرف کسی شخص پر اس حدیث سے حجت نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ حدیث بروایت ضعیفہ منقول ہے اور اس کی ضعف پر اجماع ہے چنانچہ ابن ہمام نے **فتح القدیر** میں نووی سے نقل کی ہے کہ علماء نے اس حدیث کے تضعیف پر اتفاق کیا ہے اور یہ حدیث عبدالرحمٰن بن اسحٰق واسطی سے مروی ہے اور اس کے ضعف

پر اجماع ہے انتہے اور بیہقی نے سنن کبیر میں عبد الرحمٰن سے اس کو روایت کیا ہے۔
اور کہا ہے کہ عبد الرحمٰن بن اسحٰق واسطی قریشی وہ شخص ہے جس کی احمد بن حنبل اور
یحییٰ بن معین اور بخاری وغیرہم نے جرح کی ہے اور اس کو صاعد نے عبد الرحمٰن سے
روایت کیا ہے اور وہ بھی متروک ہے انتہے۔ اور شیخ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری
میں علی علیہ السلام سے اس کو نقل کیا ہے۔ اور اس کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے کہ زیادات
مسند میں علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھا اور سند میں اس کی
ضعیف ہیں انتہے۔ اور ذکر اس حدیث کا جامع الاصول میں ہونے سے اس کو قوت نہیں
ہوتی کیونکہ اس کو ابن اثیر نے ان حدیثوں میں ذکر کیا ہے جو صحاح میں نہیں ہیں بلکہ
رزین کی جمع بین الصحاح میں اس کا ذکر ہے پس ابن اثیر نے رزین کا حوالہ کیا ہے
چنانچہ کہا ہے بہ تحقیق کہ کہا علیؑ نے کہ رکھنا کف کا کف پر نماز میں ناف کے نیچے سنت ہے۔
روایت کیا ہے اس کو رزین نے ۔ یہ اشارہ ہے اس روایت کی تضعیف پر کیونکہ صاحب
جامع الاصول ان روایات پر جو رزین نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں اور وہ صحاح ستہ میں نہیں پایا
ہیں اعتبار نہیں کرتا چنانچہ جامع الاصول کے رکن اول کے باب اول میں کہتا ہے کہ میں نے
کتاب رزین یعنے الجمع بین الصحاح میں چند حدیثیں دیکھی ہیں کہ وہ اصول میں یعنی صحاح میں
نہیں ہیں پس میں نے ان کتب ستہ سے حدیثیں جمع کرنا شروع کیں اور اعتماد اصول پر
کیا نہ کتاب رزین پر تمام ہوا خلاصہ کلام ابن اثیر کا ۔ پس جو ذکر اس حدیث کا جامع الاصول
میں کر کے کہا ہے کہ اس کو رزین نے روایت کیا ہے یہ اشارہ اس امر پر ہے کہ یہ حدیث
صحاح میں نہیں ہے اور رزین پر اعتماد نہیں ہے جیسا کہ بیہقی وغیرہ نے بھی یہ امر ذکر

کیا ہے۔ اس کے سوا اور ایک دو حدیثیں کتب اہل سنت میں ہاتھ باندھنے کے بارے وارد ہیں کہ وہ بھی ضعیف ہیں۔ اور **شافعیہ** کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا جیسا کہ ان روایتوں میں وارد ہے بدعت ہے اور سنت یہ ہے کہ ہاتھ سینے پر رکھیں چنانچہ کہتے ہیں کہ سینہ مقام نور ایمان کا ہے پس نماز میں حفاظت اس کی ہاتھ سے کرنا اولیٰ ہے ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر شرمگاہ کی طرف اشارہ کرنے سے۔ اور ان کے موافق بھی چند روائتیں ہیں جنہیں بیہقی نے سنن کبریٰ میں ذکر کیا ہے اور **تحقیق** اس مقام میں یہ ہے کہ روائتیں ہاتھ باندھنے کی مطلقاً موضوع ہیں چنانچہ یہ امر صحیح بخاری کی حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بخاری نے اپنی صحیح میں سہل بن ساعد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ حکم کیے جاتے تھے کہ نماز میں مرد دہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ الخ۔

پس عاقل پر ظاہر ہے کہ کوئی قرینہ اس حدیث میں نہیں ہے جو دلالت کرے اس امر پر کہ لوگوں کو ہاتھ باندھنے کے لئے حکم کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے اگر ایسا ہوتا تو راوی کہتا ہے کہ امر کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نے یا کہتا کہ لوگ آنحضرت کے زمانہ میں حکم کیے جاتے تھے پس جب راوی نے اس کی تصریح نہیں کی تو معلوم ہوا کہ یہ حکم لوگوں پر بغیر زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تھا۔ اور احتمال قوی یہ ہے کہ رؤسائے جابرین نے اپنے زمانے میں اس کا حکم کیا تھا جس طرح سے ان کے زمانے میں نماز تراویح پڑھنا اور الصلواۃ خیر من النوم اذان میں کہنا اور نماز عید پر خطبہ کو مقدم کرنا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نماز میں آہستہ پڑھنا اور سفر میں نماز کو تمام کرنا جاری ہوا ہے اور

---

ص ۷ جلد اوّل چھاپہ بمبئی۔

جیسا کہ انہوں نے پانی نہ ملنے کے وقت تیمم کرنے کو اور نماز پڑھنے کو اور عورت سے متعہ کرنے کو اور متعۃ الحج کو اور اذاں میں حی علیٰ خیر العمل کہنے کو اور نماز میں تکبیریں کہنے کو اور رفع یدین کو منع کیا ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر کل ان امور کی تصریح کی گئی ہے۔ اور اس مقام پر **نماز تراویح** کا ذکر تنبیہاً کیا جاتا ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح صہ میں کتاب صلوٰۃ التراویح میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں ایک رات رمضان میں عمر بن خطاب کے ساتھ مسجد کو گیا دیکھا کہ مسجد میں گروہ آدمیوں کا متفرق ہے اور ہر شخص علیحدہ نماز پڑھتا ہے اور ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور دس آدمیوں سے کم اس کے نماز کے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں پس عمر نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب لوگ ایک قاری پر جمع ہوں تو اچھا ہے۔ پھر اس کی عزیمت کی اور سب لوگ ابی ابن کعب پر جمع ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ہم دوسری رات کو مسجد میں آئے اور لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے یہ دیکھ کر عمر نے کہا یہ اچھی بدعت ہے انتہے
پس یہ روایت صریح ہے اس امر میں کہ جماعت تراویح حضرت عمر کی بدعت ہے۔ اور جو عمر نے فرمایا نعم البدعت، تو یہ بداہتہً باطل ہے کیونکہ کوئی بدعت اچھی نہیں ہوتی چنانچہ ابن ماجہ نے اپنی صحیح صہ میں باب اجتناب البدع والجدل میں روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اجتناب کرو تم محدثات سے یعنی نئی



---

صہ ۹۶ جلد دوم چھاپہ بمبئی۔

صہ ۹ چھاپہ عمدۃ المطابع۔

امور سے کیونکہ نئے امور بہت برے ہیں اور ہر نیا امر بدعت ہے۔ اور ہر بدعت ضلالت ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے نماز تراویح رمضان میں تین راتوں تک پڑھی پھر باہر تشریف نہ لائے اس خوف سے کہ کہیں یہ نماز لوگوں پر فرض نہ ہو جائے پس اس روایت کے صحت کا حکم بجز کسی نادان کے نہیں کرتا۔ اس لئے کہ خداوند عالم حکیم ہے اور بندوں کے حال سے واقف اور ارحم الراحمین ہے اور اس سے شفیق و مہربان تر ہے کہ بندوں کو ایسے امر کی تکلیف دے جس سے ان پر حرج واقع ہو اور خدا کے دین میں حرج نہیں ہے۔ کیا نہیں سنا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے واللہ بصیر بالعباد یعنی خدا بندوں کے حال سے آگاہ ہے خلق الانسان ضعیفا یعنی انسان کم طاقت پیدا کیا گیا ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا یعنی خدا تکلیف نہیں دیتا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے موافق۔ یرید اللہ ان یخفف عنکم۔ یعنی خدا چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے۔ یرید اللہ بکم الیسر یعنی خدا واسطے تمہارے آسانی چاہتا ہے۔ ولا یرید بکم العسر یعنی خدا تمہارے واسطے تنگی نہیں چاہتا ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج۔ یعنی خدا نہیں چاہتا کہ تم پر حرج ڈالے۔ اور خداوند علیم کیونکر اپنے بندوں پر ایسا امر واجب کرتا جسکے وجوب پر اس کی مشیت جاری نہو۔ اور جب مشیت ازلی بمقتضائے حکمت بالغہ کسی امر کے وجوب پر جاری ہوتی ہے تو پھر کسی حیلہ سے وہ وجوب دفع نہیں ہوتا پس اس قول سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز تراویح کے فرض ہو جانے کا خوف کر کے باہر نہ آئے حضرت کا معرفت مشیت الٰہی میں معاذ اللہ جاہل لازم آتا ہے۔ اور لازم بداہۃً باطل ہے پس اسی طرح ملزوم ہے۔

اور وہ قول ایسا ہے کہ حضرت کی نسبت کسی دیندار کے منھ سے تو نہ نکلے گا اور اگر ہم اس سے تنزل بھی کریں گے تو کہیں گے کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے کہ یہ نماز ہمیشہ پڑھنے پر بھی فرض نہ ہو تو فرما دیتے کہ ایہا الناس یہ نماز جو میں پڑھتا ہوں بطریق نافلہ کے ہے پس جو شخص یہ نماز پڑھے بطور نافلہ پڑھے کیونکہ یہ نماز کسی پر کبھی فرض نہ ہوگی جب حضرت یہ فرما دیتے تو خدائے تعالیٰ بھی اپنے رسول کی تصدیق کے لئے فرض نہ کرتا پر چونکہ میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے) اور مسلم نے اپنی صحیح میں مجاہد سے روایت کی ہے ... کہتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے دیکھا کہ عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ کے حجرے پر بیٹھے ہیں اور لوگ نماز چاشت گاہ پڑھتے ہیں۔ ہم نے ابن عمر سے سوال کیا کہ یہ کونسی نماز ہے ابن عمر نے کہا کہ بدعت الخ۔ اور عنقریب یہ روایت پوری نقل ہوگی۔ اور جمع بین الصحیحین میں مفردات بخاری سے حدیث ثمانین میں منقول ہے مورق عجلی کہتا ہے کہ میں نے ابن عمر سے کہا آیا تم نماز ضحیٰ (چاشت گاہ) پڑھتے ہو کہا نہیں، میں نے کہا کیا عمر پڑھتے تھے، کہا نہیں۔ میں نے کہا کیا ابو بکر پڑھتے تھے کہا نہیں، میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے، کہا نہیں گمان کرتا ہوں **مصنف کتاب** اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ ذکر تراویح درمیان کلام آگیا تھا اب پھر میں ذکر وضع یدین کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ بہت بڑی دلیل اس پر کہ ہاتھ باندھنا نماز میں بدعت ہے یہ ہے کہ امام مالک جو حدیث میں سب سے مقدم اور اخبار میں اعرف ہیں اور علو مرتبہ ان کا حدیث میں اہل سنت

کے نزدیک مثل آفتاب کے روشن ہے اور اسی مضمون سے امام رازی تفسیر کبیر میں ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں ہاتھ چھوڑ دینے کے قائل ہیں پس اگر روائتیں ہاتھ باندھنے کی کچھ اصلیت رکھتیں تو ہرگز امام مالک ہاتھ کھلے رکھنے کو اختیار نہ کرتے اور بدعت پر عمل نہ ہوتے اور یہ امر ثابت ہے کہ مالک نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے السنۃ ھی الارسال یعنے سنّت ہاتھ چھوڑنا ہے پس یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ہاتھ باندھنا بدعت ہے کیونکہ انہوں نے سنّت کو بہ سبب مقدم کرنے ضمیر بارز کے ہاتھ چھوڑنے میں منحصر کر دیا ہے بدائع کاشانی میں مرقوم ہے کہ مالک نے کہا السنۃ ھی الارسال اور سبب اس کا یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑنے میں بدن پر مشقت ہے اور باندھنے میں آرام اور اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ اس خوف سے ہاتھ باندھتے تھے کہ انگلیوں کے سروں میں خون نہ جمع ہو جائے کیونکہ وہ لوگ نماز کو بہت طول دیتے تھے اور بہترین اعمال وہ ہے جو سخت تر ہو بفرمود حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم انتہے۔

یہ روایت صریح ہے اس امر میں کہ لوگ نماز میں ہاتھ اس خوف سے باندھتے تھے کہ کہیں انگلیوں میں خون نہ جمع ہو جائے۔ بلحاظ سنت نہیں باندھتے تھے پس ہرگاہ یہ امر مالک کے پاس ثابت ہوا اور روائتیں ہاتھ باندھنے کی ثابت نہ ہوئیں تو مالک نے ہاتھ چھوڑنے اختیار کیا اور ہاتھ باندھنے کو بہ سبب بدعت ہونے کے ترک کیا اور اسی طرح اکثر اصحاب مالک نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کیا ہے اور بعض نے ہاتھ باندھنے کو مکروہ جانا ہے چنانچہ فتح الباری میں مرقوم ہے کہ ابن القاسم نے مالک سے ہاتھ چھوڑنے کو روایت کیا ہے۔

اور اکثر اصحاب کا ان کے یہی مذہب ہے اور ان میں سے بعض نے ہاتھ باندھنے
کو مکروہ جانا ہے انتہے۔ اور ہمارے پاس تحقیق یہ ہے اور اجماع اہلبیت علیہم السلام
کا اس پر ہے کہ سنت ہاتھ چھوڑ دینا ہے اور بدعت ہاتھ باندھنا ہے۔

**چھٹی برہان** بیان میں ان امور کے ہے جو متعلق ہیں قرأت نماز سے۔

اس میں کئی الزام ہیں جو اہل سنت کے امام اعظم ابو حنیفہ صاحب پر ہیں اور بعض دوسروں
پر ہیں۔ **پہلا الزام** اثبات میں اس امر کے ہے کہ نماز میں سورۃ الحمد پڑھنا واجب ہے اور
ابو حنیفہ صاحب ایک آیت کی قرأت کو کافی جانتے ہیں۔ **امام فخر الدین رازی** تفسیر کبیر
میں اوائل تفسیر فاتحہ کے مسئلہ ثانیہ میں کہتے ہیں کہ کہا شافعی نے کہ قرأت سورۃ فاتحہ
کی نماز میں واجب ہے پس اگر کوئی ایک حرف بھی اس میں سے ترک کرے حالانکہ وہ
اسے اچھا پڑھ سکتا ہو تو نماز باطل ہے اور اکثر لوگ اس کے قائل ہیں۔ اور کہا **ابو حنیفہ**
نے کہ قرأت سورۃ فاتحہ کی نماز میں واجب نہیں ہے انتہے اور پھر امام رازی مسئلہ ثالثہ
میں کہتے ہیں کہ جب ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہوا کہ قرأت سورۃ فاتحہ کی واجب
نہیں اس لئے انہوں نے اختلاف کیا ہے مقدار قرأت میں پس ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اگر
کوئی نماز میں ایک آیت بھی پڑھے مثل اس کے کہ کہے۔ الٓم۔ یا حٰم۔ یا والطور یا مدہامتان
تو کافی ہے انتہے اور امام **رازی** امام شافعی کے قول پر مائل ہیں اور مسئلہ ثانیہ
میں ابو حنیفہ صاحب کی تردید اور ان کی قول کی شناعت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ قول
ابو حنیفہ کا عجیب ہے پھر اٹھارہ[۱۸] دلیلیں قرأت فاتحہ کے وجوب پر بیان کی ہیں اگر ہم
یہاں ان سب کو ذکر کریں تو طول ہو گا لاکن بعض دلائل ان میں سے متفرق بہ ضرورت

مقام یہاں نقل کرتے ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ تا مدت عمر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے رہے اور کبھی ترک نہ کیا۔ پس ضرور ہے کہ ہم پر بھی ایسا ہی واجب ہے بدلیل قولہ تعالیٰ واتبعوہ (یعنے پیروی کرو تم پیغمبرؐ کی) وقولہ تعالےٰ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ (یعنے چاہیئے کہ ڈرائے پیغمبر ان لوگوں کو جو اس کے امر کی مخالفت کرتے ہیں) وقولہ تعالےٰ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ (یعنے کہہ تو پیروی کرو تم تا دوست رکھے تم کو اللّٰہ) دوسری دلیل امام رازی کہتے ہیں کہ شیخ ابوحامد نے تعلیقہ میں ابن المنذر سے نقل کی ہے کہ اس نے اپنے اسناد سے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نماز بغیر فاتحۃ الکتاب کے صحیح نہیں ہے انتہے۔ جناب مصنف کتاب[ؒ] فرماتے ہیں کہ بخاری[ؔ] اور مسلم نے عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرت رسالت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز نہیں اس شخص کی جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھا۔ اور مشکوٰۃ میں ایک اور روایت میں مسلم کے یہ ہے کہ فرمایا حضرت[ؐ] نے نماز نہیں ہے اس شخص کی جس نے ام القرآن اور زیادہ اس سے نہ پڑھا۔ اور ترمذی نے اپنی صحیح میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے کنجی نماز کی طہارت ہے اور تحریم اس کی تکبیر ہے اور تحلیل اس کی تسلیم ہے اور نماز نہیں ہے اس کی جس نے سورۂ الحمد اور دوسرا ایک سورہ نہ پڑھا فریضہ یا غیر فریضہ میں انتہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ صحیح ابن ماجہ میں یہی تحریر ہے کہ

---

ص ۱۰۱ صحیح بخاری جلد اول چھاپہ بمبئی۔

ص ۱۲۷ چھاپہ عمدۃ المطابع۔

فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نماز نہیں ہے اس شخص کی جس نے ہر رکعت

میں سورۂ حمد اور ایک دوسرا سورہ نہ پڑھا خواہ وہ فریضہ ہو یا غیر فریضہ اور

امام رازی نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے مجھے حکم فرمایا کہ باہر نکل کے منادی کر دوں کہ بغیر فاتحہ الکتاب کے نماز نہیں ہے۔

مصنف کتاب اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جو فرمایا لا صلوٰۃ الا

بفاتحۃ الکتاب، مراد اس سے وہ ہے جو خود حضرتؐ نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے

یعنے ایک مرتبہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور بسم اللہ الرحمٰن کو نہیں پڑھا پس حضرت

رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اے شخص تو نے اپنی نماز کو ضائع کیا

کیا تو نہیں جانتا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ حمد سے ہے پس جس نے اسے ترک کیا پس

بہ تحقیق کہ ایک آیت حمد کی ترک کی اور جس نے ایک آیت الحمد کی ترک کی نماز اس کی قطع

ہوئی بدرستیکہ نہیں ہے نماز مگر الحمد سے پس جس نے ایک آیت الحمد کی چھوڑی نماز اس

کی باطل ہوئی روایت کیا ہے اس کو ثعلبی نے اور عنقریب پوری روایت بیان ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ

اور ترمذی نے اپنی صحیح میں عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب یعنی جو سورۂ حمد نہ پڑھے

اس کی نماز نہیں۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں ابوہریرہ[۲] اور عائشہ[۳] اور انس[۴] اور

ابو قتادہ[۵] اور عبد اللہ بن عمر[۶] سے روایت میں منقول ہے اور حدیث عبادہ کی صحیح ہے

اور اکثر اہل علم کا اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی پر عمل ہے کہ ان میں سے عمر ابن

خطاب اور علی ابن ابی طالب اور جابر بن عبد اللہ اور عمران بن حصین وغیرہم ہیں۔

اور یہ سب کہتے ہیں کہ نماز صحیح نہیں مگر الحمد سے انتہے۔

**تیسری دلیل** رازی کہتے ہیں کہ رفاعہ بن مالک نے روایت کی ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوا (الی قولہ) کہا اس شخص نے کہ سکھلایئے مجھے نماز یا رسول اللہؐ۔ آپ نے فرمایا کہ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے تکبیر کہہ اور سورۃ فاتحہ پڑھ۔ اور وجہ دلیل یہ ہے کہ یہ امر ہے اور امر وجوب کے واسطے ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب کوئی شخص کہے کہ نماز سکھلایئے تو جو چیز وہ حضرتؐ ذکر کریں، ضرور ہے کہ وہ جزءِ نماز ہو اور حضرت نے سورۃ فاتحہ کا ذکر کیا ہے تو واجب ہوا کہ قرأت فاتحہ بھی جزءِ نماز ہو۔ **چوتھی دلیل** رازی کہتے ہیں بدرستیکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا آیا خبر دوں ایسے سورہ سے جو توراۃ، انجیل اور زبور میں مثل اس کا نہیں ہے سب نے عرض کی بہت اچھا حضرت نے فرمایا تم اپنی نمازوں میں کیا پڑھتے ہو عرض کی الحمد للہ رب العالمین آپ نے فرمایا یہی یہی۔ رازی کہتے ہیں۔ وجہ دلالت اس میں یہ ہے کہ جب حضرت نے پوچھا کہ تم نماز میں کیا پڑھتے ہو تو سب نے کہا الحمد للہ رب العالمین پس یہ دال ہے کہ صحابہ میں مشہور تھا کہ کوئی شخص بغیر اس سورہ کے نماز نہیں پڑھتا پس اس امر کا ان میں اجماع تھا۔ **پانچویں دلیل** قول خدائے تعالیٰ ہے کہ فرمایا فاقرؤا ما تیسر من القرآن یعنے پڑھو تم جس قدر کہ میسر ہو تم کو قرآن سے وجہ دلیل یہ ہے کہ بموجب حکم خدا ما تیسر من القرآن پڑھنا واجب ہے اور تین حال سے خالی نہیں کہ ما تیسر من القرآن ۱یا سورہ فاتحہ ہے ۲یا غیر فاتحہ ہے ۳یا تخییر فاتحہ اور غیر فاتحہ میں ہے۔ صورت ۱اول مقتضی اس امر کی کہ سورۃ فاتحہ بعینہا واجب ہو۔

اور مطلوب ہمارا یہی ہے اور صورت ثانی مقتضی اس امر کی ہے کہ قرأت غیر فاتحہ کی ہم پر واجب ہو اور یہ بالاجماع باطل ہے اور تیسری صورت مقتضی اس امر کی ہے کہ مکلّف کو اختیار ہو درمیان قرأت فاتحہ و غیر فاتحہ کے اور یہ بھی بالاجماع باطل ہے اس لئے کہ امت اس پر مجتمع ہے کہ قرأت فاتحہ کی غیر فاتحہ سے اولیٰ ہے اور ابو حنیفہ نے بھی تسلیم کی ہے کہ نماز بدون قرأت فاتحہ کے ناتمام و ناقص ہے پس تخییر درمیان ناقص و کامل کے جائز نہیں ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے قرأت فاتحہ کو قرأت، ما تیسر القرآن اس لئے فرمایا ہے کہ یہ سورہ تمام مکلفین کو حفظ رہتا ہے پس یہ سورہ پڑھنا ہر شخص کو میسر ہے اور دوسرے سوائے کسی کو حفظ ہوتے ہیں اور کسی کو نہیں اور جب حفظ نہ ہوں تو ان کا پڑھنا میسر نہیں ہے۔

**مصنف کتاب** فرماتے ہیں کہ اس قول کی تائید کرتا ہے وہ کلام جو ابن حزم نے کہا ہے ما تیسر من القرآن امّ القرآن ہے۔ اور شارح بنایہ کہتے ہیں کہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن منسوخ ہے۔ **چھٹی دلیل** رازی کہتے ہیں کہ جب ثابت ہے کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء نے قرأت سورہ فاتحہ پر مدت العمر مواظبت کی اس صورت میں پڑھنا غیر سورۂ فاتحہ کا نماز میں بدعت ہوگا اور ترک اتباع۔ اور یہ حرام ہے کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے کہ پیروی کرو اور بدعت نہ کرو۔ اور احسن ہدایت ہدایت محمدؐ ہے اور بدتر امور محدثات ہیں ... ساتویں دلیل ہم نے تفسیر کبیر

قدر رد و قدح ابوحنیفہ صاحب کا اور وجوب قرات فاتحہ کو نماز میں بہ دلائل کثیرہ ثابت

کر دیا تو اب ہمیں کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے خدا تعالیٰ نے ہمیں راحت دی ہے

اور دلیل شیعہ کی وجوب قرات الحمد و سورہ ثانیہ پر اہلبیت علیہم السلام کی حدیثیں ہیں

جو اس بارے میں مروی ہیں

اور پھر امام رازی تفسیر کبیر میں کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ ہی اپنے قول پر قرآن و حدیث

سے دلیل لائے ہیں۔ قرآن سے وہی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فاقرؤا ماتیسر من القرآن اور حدیث سے یہ ہے جو ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ باہر نکل کر منادی کر نماز نہیں ہے مگر قرات سے اگرچہ سورۃ

فاتحہ ہو۔ اور جواب دلیل اول کا وہ ہے جو ہم نے پہلے بیان کردیا کہ آیت خود ہمارے

قول پر دلیل ہے۔ اور جواب دلیل ثانی کا یہ ہے کہ یہ حدیث معارض ہے اس حدیث کی کہ وہ

بھی ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ باہر نکل کے

منادی کر کہ نماز سورۃ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ کیوں جائز نہیں کہ حضرت

نے جو فرمایا کہ نماز بغیر قرات نہیں ہوتی ہر چند سورہ فاتحہ ہو مراد اس سے یہ ہو کہ اگر فقط

سورۃ فاتحہ پر اکتفا کریں تب بھی کافی ہے انتہے قولہ۔

دوسرا الزام اثبات میں اس امر کے ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ

کا جزو ہے اور ابو حنیفہ صاحب وغیرہ اس کے منکر ہیں۔ تفسیر کبیر میں امام احمد بن

آیت ہے سورۂ فاتحہ سے اور یہ قول ابن مبارک اور ثوری کا ہے اور شافعی کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک آیت ہے سورۂ فاتحہ سے اور واجب ہے ساتھ پڑھنا اس کا ساتھ فاتحہ کے اور ابو حنیفہ اور فقہائے کوفہ اور قراء مدینہ و بصرہ کہتے ہیں کہ بسملہ سورۂ سورۂ فاتحہ سے نہیں ہے۔ رازی کہتے ہیں کہ ہمارے قول پر کئی دلیلیں ہیں پھر امام رازی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جزء فاتحہ ہونے کے اثبات میں کئی دلیلیں تفسیر کبیر میں بیان کی ہیں ہم اس مقام پر چند دلیلیں ان میں سے نقل کرتے ہیں۔ پہلی دلیل مسلم نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحہ کی تلاوت کی اور اس کی آیتوں کو گنا اس طرح سے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیہ الحمد للہ رب العالمین آیہ الرحمٰن الرحیم آیہ مالک یوم الدین آیہ ایاک نعبدہ و ایاک نستعین آیہ اھدنا الصراط المستقیم آیہ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین آیہ۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ نص صریح ہے۔ دوسری دلیل ثعلبی نے اپنی تفسیر میں باسناد خود ابو بریدہ سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ آیا تجھے ایسی آیت سے خبر دوں کہ بعد سلیمان کے سوائے میرے کسی پر نازل نہیں ہوئی میں نے عرض کی بہت خوب حضرتؐ نے فرمایا کہ جب تو نماز پڑھتا ہے تو قرأت کو کس چیز سے شروع کرتا ہے میں نے عرض کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آپ نے فرمایا کہ یہی یہی بس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ بسملہ جزء قرآن ہے۔

تیسری دلیل ثعلبی نے باسناد خود جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے انہوں نے جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے مجھ سے فرمایا کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو کیا کہتا ہے میں نے عرض کی الحمد للہ رب العالمین آپ نے فرمایا کہہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور ایضاً ثعلبی نے باسناد خود علیؑ ابن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ آپ جب نماز میں سورہ شروع کرتے ہی کہتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور کہتے تھے جس نے اس کو ترک کیا نماز ناقص ہوئی اور ایضاً ثعلبی نے باسناد خود ابن عباس سے روایت کی ہے تفسیر میں آیہ ولقد اتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم کے کہا ابن عباس نے کہ وہ فاتحہ الکتاب ہے پس کسی نے ابن عباس سے کہا کہ پھر ساتویں آیت کہاں ہے ابن عباس نے کہا کہ ساتویں آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اور ایضاً ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو درمیان اپنے اور درمیان اپنے بندے کے دو نصف کیا ہے پس جب بندہ کہتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم تو اللہ فرماتا ہے کہ تمجید کی میرے بندے نے اور جب بندہ کہتا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین تو خدا فرماتا ہے حمد کی میرے بندہ نے اور جب کہتا ہے الرحمن الرحیم تو خدا فرماتا ہے کہ تعریف کی میرے بندہ نے اور جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین تو خدائے عزوجل فرماتا ہے سپرد کیا میری طرف میرے بندے نے اور جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ درمیان میرے اور میرے بندے کے ہے اور جس وقت بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم اللہ سبحانہ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے واسطے ہے اور میرے بندے کے لئے جو اس کی خواہش ہو موجود ہے۔ اور باسناد خود ابوہریرہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسالتؐ کے ساتھ مسجد میں تھا اور حضرتؐ اصحاب کے روبرو حدیث بیان کرتے تھے ناگاہ ایک شخص داخل ہوا و نماز شروع کی اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

کہہ کے کہا الحمد للہ رب العالمین حضرتؐ نے سنا اور فرمایا کہ اے شخص تو نے اپنی نماز قطع کی آیا نہیں جانتا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم جزو الحمد ہے جس نے اسے ترک کیا پس بہ تحقیق کہ آیت الحمد کی ترک کی اور جس نے ایک آیت الحمد کی ترک کی پس نماز اس کی باطل ہوئی کیونکہ نماز نہیں ہے مگر الحمد سے پس جس نے ایک آیت اس کی ترک کی نماز اس کی باطل ہوئی۔ اور باسناد خود طلحہ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شخص نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ترک کیا اس نے ایک آیت کو کتابِ خدا سے ترک کیا۔

**فخر رازی** کہتے ہیں کہ میں نے ان تمام حدیثوں کو تفسیر شیخ ابو اسحٰق ثعلبی سے نقل کیا ہے۔

**تیسری دلیل** حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی ہے کہ حضرت نے ابی بن کعب سے فرمایا کہ قرآن میں کونسی آیت اعظم ہے۔ ابی نے عرض کی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے حضرت نے اس کی تصدیق فرمائی۔ رازی کہتے ہیں کہ وجہ استدلال اس میں یہ ہے کہ یہ کلام دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ بسم اللہ...

انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آیہ تامہ نہیں ہے بلکہ بعض آیت ہے پس ضرور ہے کہ بغیر اس مقام کے وہ ایک آیت تامہ ہو اور جو اس کا قائل ہوگا وہ کہے گا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اول الحمد میں ایک آیہ تامہ ہے انتہے۔

اور پھر رازی تفاریح بسملہ میں دسویں مسئلہ میں کہتے ہیں کہ ابراہیم بن یزید سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے عمر بن دینار سے کہا کہ فضل رقاشی کا زعم یہ ہے کہ تسمیہ قرآن سے نہیں ہے۔ عمر بن دینار نے کہا سبحان اللہ کیا جاری کیا اس مرد نے میں نے سعید بن جبیر سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے ابن عباس سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوتا تھا تو حضرت

سمجھتے تھے کہ یہ سورہ تمام ہوا اور دوسرا سورہ شروع ہوا ہے۔ اور عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جس نے بسملہ کو ترک کیا اس نے ایک سو تیرہ آیتیں ترک کیں۔ اور اس کے مثل ابن عمر اور ابو ہریرہ سے بھی منقول ہے۔

ختم ہوئے اقوال امام رازی کے جو ہم نے تفسیر کبیر سے نقل کئے ہیں اور باقی دلیلیں اس تفسیر میں ہیں جو چاہے اسے ملاحظہ کرے۔ اور عبدالرحمٰن جامی رسالہ میں تفسیر فاتحۃ الکتاب کے کہتے ہیں کہ اہل مکہ و کوفہ کا مذہب۔ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کا ایک آیہ ہے کہ اس سے سورہ شروع ہوتا ہے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے انتہی۔ اور زمخشری نے کشاف میں کہا ہے کہ قرائے مکہ و کوفہ اور فقہا ان دونوں مقاموں کے اس پر ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک آیت ہے سورۂ فاتحہ سے اور ہر سورہ سے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے اسی لئے بسملہ کو جہر سے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سب قرآنوں میں بزرگوں نے لکھا ہے حالانکہ قرآن کو غیر قرآن سے خالی کرنے کیلئے وصیت کرتے تھے اور اسی لئے قرآن میں (آمین کو) نہیں لکھا ہے پس اگر آیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن سے نہ ہوتا تو اسے قرآن میں ہرگز نہ لکھتے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ترک کیا اس نے ایک سو چودہ آیتیں کتاب خدا سے ترک کیں۔ تمام ہوا قول زمخشری کا۔

مصنف کتاب ہٰذا اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر میں اور روایتیں اثبات میں جزویۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ذکر کرتا ہوں۔

سیوطی نے درّ منثور میں لکھا ہے کہ روایت کی ہے دار قطنی نے اور تصحیح کی ہے

اور بیہقی نے سنن میں ابوہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب تم سورۃ الحمد پڑھو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھو کیونکہ الحمد اُم القرآن ہے اور ام الکتاب اور سبع مثانی ہے اور بسملہ الحمد کی آیتوں سے ایک آیت ہے ——

اور دارقطنی نے اور بیہقی نے سنن میں اور ابوالقاسم بن بشیر نے امالی میں بسند صحیح روایت کی ہے عبد خیر سے کہ علیؑ سے پوچھا گیا کہ سبع مثانی کیا ہے آپ نے فرمایا الحمد للہ رب العالمین سائل نے کہا اس میں تو چھ آیتیں ہیں۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بیہقی اور دارقطنی نے شعب میں روایت کی ہے جابر سے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے جب تو نماز ختم کے لئے اٹھتا ہے تو کیا پڑھتا ہے میں نے عرض کی الحمد للہ رب العالمین۔ آپ نے فرمایا کہہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے، اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ الحمد کے سات آیتیں ہیں جن میں ایک آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور الحمد سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے اور ام القرآن ہے اور فاتحۃ الکتاب ہے۔ اور ابن انباری مصاحف میں ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس طرح تلاوت کی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین (۲) الرحمن الرحیم (۳) مالک یوم الدین (۴) ایاک نعبد وایاک نستعین (۵) اھدنا الصراط المستقیم (۶) صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین (۷) اور فرمایا اے ام سلمہ یہ سات آیتیں ہیں اور روایت کی ہے ابو عبید نے اور ابن سعد نے طبقات میں اور ابن ابی شیبہ نے اور احمد نے اور ابوداؤد نے اور ترمذی اور ابن خزیمہ نے اور ابن انباری نے مصاحف میں اور دارقطنی نے اور

حاکم[10] نے اور تصحیح کی ہے اور بیہقی[11] نے اور خطیب[12] اور ابن عبدالبر[13] نے کتاب البسملہ میں ام سلمہؓ سے بدرستیکہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح پڑھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین، ایاک نعبد وایاک نستعین۔ اہدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ اور ابن خزیمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک آیت ہے۔ اور سعید بن منصور نے اپنے سنن میں اور ابن خزیمہ نے کتاب البسملہ میں اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ شیطان نے بعض لوگوں سے قرآن کی ایک بزرگ تر آیت کو چرالیا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اور بیہقی کی روایت میں اس طرح وارد ہے کہ شیطان نے اہل عراق سے قرآن کی ایک بڑی آیت کو چرالیا۔ الخ اور ابو عبید اور ابن مردویہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ ایک آیت کو کتاب خدا سے بھول گئے کہ وہ کسی پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی سوائے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مگر سلیمان علیہ السلام نے لکھا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اور واحدی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ آیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورے کے ساتھ نازل ہوا اور روایت کی ہے ابوداؤد اور بزاز اور طبرانی اور حاکم نے اور تصحیح کی ہے اور بیہقی نے معرفۃ میں ابن عباس سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ جب تک کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل نہ ہو سورے کے فصل کو نہیں جانتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ سورے کے خاتمہ کو نہیں جانتے تھے اور بزاز اور طبرانی کی روایت میں اس قدر زیادہ ہے کہ جب آیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتا تھا تو حضرت سمجھتے تھے کہ

ایک سورہ ختم ہوا۔ اور دوسرا سورہ شروع ہوا اور روایت کی ہے حاکم نے اور تصحیح کی ہے اور بیہقی نے اپنے سنن میں ابن عباس سے کہ مسلمان ختم سورہ کو نہیں جانتے تھے جب تک کہ بسملہ نازل نہ ہو۔ پس جب یہ آیہ نازل ہوتا تھا تو جانتے تھے کہ سورہ ختم ہو گیا۔ اور ابو عبید نے سعید بن جبیر سے قریب اسی مضمون کے روایت کی ہے اور روایت کی ہے طبرانی نے اور حاکم نے اور تصحیح کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس سے کہ جب جبرئیل حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ اور کہتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو حضرتؐ سمجھتے تھے کہ یہ سورہ ہے۔ اور روایت کی ہے بیہقی نے شعب الایمان میں اور واحدی نے ابن مسعود سے وہ کہتے ہیں کہ ہم دو سوروں کی فصل کو نہیں جانتے تھے تا نزول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انتہی۔ (یہ سب روایتیں تفسیر درّ منثور میں ہیں)

**تیسرا الزام**:۔ اثبات جہر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہے ہر نماز میں اور اس بیان میں ہے کہ اس کے آہستہ پڑھنے کی ابتدا حضرت عثمان سے ہوئی ہے۔ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں مسائل متعلق تفسیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نویں مسئلہ میں کہا ہے کہ شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے پڑھنا چاہیے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اسے ہر رکعت میں آہستہ پڑھنا چاہیے اور شافعی کہتے ہیں کہ وہ ایک آیت ہے سورہ فاتحہ کی اسے پکار کے پڑھنا چاہیے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نہ وہ ایک آیت ہے اور نہ اسے پکار کے پڑھنا چاہیے۔ اور پھر رازی کہتے ہیں کہ جہر سے پڑھنا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا سنت ہے اس پر کئی وجوہ دلالت کرتے ہیں۔ پھر فخر رازی نے کئی دلیلیں بیان کی ہیں۔ جن کی نقل میں طول ہوتا ہے۔ اور آخر دلیل سوم میں کہتے ہیں اسی لئے منقول ہے کہ مذہب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے پڑھیں۔ پھر رازی کہتے ہیں

---

ا۔ بلند آواز سے پڑھنے کو جہر کہتے ہیں۔

کہ یہ دلیل میرے نزدیک ایسی قوی اور میری عقل میں ایسی راسخ ہے کہ بہ سبب کلمات مخالفین کے ہرگز زائل نہ ہوگی انتہیٰ اور پھر کہتے ہیں کہ۔

**چوتھی دلیل** یہ ہے جو شافعی نے اپنے اسناد سے روایت کی ہے کہ جب معاویہ مدینہ میں آیا تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور بسملہ کو نہ پڑھا اور رکوع و سجود کے لئے جھکتے وقت تکبیر بھی نہیں کہی پس جب سلام کہا تو مہاجرین و انصار نے اس کو ندا کی کہ اے معاویہ تو نے نماز سے چوری کی ہے کہاں ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور کہاں ہے تکبیر رکوع و سجود کے وقت۔ پس معاویہ نے ساتھ بسملہ اور تکبیر کے نماز کا اعادہ کیا۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ معاویہ ایک بادشاہ شدید القوت اور عظیم الشوکت تھا پس اگر جہر سے پڑھنا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نزدیک کل صحابہ کے مہاجرین و انصار سے امر مستقر نہ ہوتا تو ہرگز معاویہ پر انکار کو اظہار کرنے کی قدرت نہ رکھتے بہ سبب ترک بسملہ کے۔

**پانچویں دلیل** بیہقی نے سنن کبیر میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا علیہ و آلہ التحیۃ والثنا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر سے پڑھتے تھے اور پھر شیخ بیہقی نے بسملہ کے جہر کو عمر بن خطاب اور ابن عباس اور ابن عمر اور ابن زبیر سے روایت کی ہے اور علیؑ بن ابی طالبؑ کا بسملہ کو جہر سے پڑھنا تواتر سے ثابت ہے اور جس شخص نے اپنے دین میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کی اقتدا کی پس تحقیق کہ اس نے ہدایت پائی اور حق کو پہونچا۔ دلیل اس پر قول حضرت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ کا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پروردگار پھیر تو حق کو علی کے ساتھ جدھر علی پھریں۔ تمام ہوا قول امام رازی کا۔ اور پھر امام رازی تفسیر کبیر میں کہتے ہیں کہ مخالف نے کئی وجوہ

سے استدلال کیا ہے اول یہ کہ بخاری نے بہ اسناد خود انس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کے پیچھے اور پیچھے ابوبکر و عمر و عثمان کے نماز پڑھی ہے یہ سب قرائت کو الحمد اللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں یہ روایت کی ہے اور اس میں اس طرح ہے کہ وہ لوگ بسملہ کا ذکر نہیں کرتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ میں نے کسی کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے ہوئے نہیں سنا اور چوتھی روایت میں ہے کہ کسی نے ان میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے نہیں پڑھا۔ **دوسرے** یہ کہ ابن عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے ہوئے میرے باپ نے سنا اور کہا اے فرزند پرہیز کر اسلام میں حدث سے (یعنی نئی چیز سے) بہ تحقیق کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور پیچھے ابوبکر و عمر و عثمان کے نماز پڑھی ہے۔ یہ سب قرأت کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ پس جب تو نماز پڑھے تو کہہ الحمد للہ رب العالمین۔ رازی کہتے ہیں کہ انس اور ابن مغفل نے عدم ذکر بسملہ کو خلفائے ثلثہ کے ساتھ تخصیص کیا ہے۔ اور علی کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ امر دلالت کرتا ہے اتفاق پر سب کے اس بات پر کہ علیؑ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے پڑھتے تھے۔ **تیسرے** یہ کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ادعوا ربکم تضرعا و خفیہ۔ واذکر فی نفسک تضرعاً و خفیہ۔ اور بسملہ ذکر خدا ہے پس واجب ہے کہ اسے اخفات سے پڑھیں یعنی آہستہ یہ **تین** دلیلیں ہیں کہ قوم نے چنی ہیں اور اعتماد ان کا پہلی دونوں دلیلوں پر ہے۔ اور **جواب** حدیث انس کا کئی وجوہ سے ہے **اول** یہ کہ شیخ ابو حامد اسفرائنی کہتے ہیں کہ انس سے اس بارے میں چھ[۶]

روایتیں منقول ہیں ان میں سے حنفیہ نے تین روایتیں نقل کی ہیں (جو سابق میں مذکور ہوئیں)
یہ تینوں روایتیں قول حنفیہ کی تقویت کرتی ہیں۔ اور دوسری تین روایتیں انس سے منقول
ہیں کہ حنفیہ کے قول سے معارض اور مخالف ہیں۔ پہلی روایت، یہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا
ہے کہ انس نے روایت کی ہے کہ جب معاویہ نے نماز میں بسملہ کو ترک کیا تو مہاجرین وانصار نے
اس پر اعتراض کیا اور ہم نے کہہ دیا ہے کہ یہ بات، اس پر دلالت کرتی ہے کہ جہر بسملہ کا
صحابہ میں مثل متواترات کے تھا۔ دوسری روایت یہ ہے جو ابو قلابہ نے انس سے روایت
کی ہے بدرستیکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر و عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو
جہر سے پڑھتے تھے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ انس سے سوال کیا گیا کہ بسملہ کو جہر سے
پڑھنا چاہیے یا اسرار سے یعنی آہستہ تو انس نے جواب دیا کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا۔

**پس** ثابت ہوا کہ جو روایتیں اس مسئلہ میں انس سے مروی ہیں ان میں
خبطِ عظیم اور اضطرابِ کثیر انس سے واقع ہوا ہے اور وہ روایتیں متعارضہ باقی رہ گئیں
پس واجب ہے کہ اب دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا جائے۔ **اور ایضاً** روایاتِ انس
میں ایک دوسرا گمانِ بد اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
کو جہر سے پڑھنے میں سخت کوشش فرماتے تھے۔ ہر گاہ بنی امیہ کو دولت پہونچی تو انہوں
نے جہر کو منع کرنے میں بہت سعی کی کیونکہ آثارِ علی کے ابطال میں بنی امیہ ہمیشہ ساعی
تھے پس شاید انس نے ان سے خوف کیا ہے۔ اسی سبب سے اقوال انس کے اس سلسلہ
میں مضطرب ہیں۔ اور ہم کو ہر چند کسی امر میں شک ہو مگر اس میں شک نہیں ہے کہ جب
قول انس و ابنِ مغفل کا قول سے علی رضی اللہ عنہ کے معارض ہو تو اخذ ساتھ قولِ علی

سے اولیٰ ہے پس اس مسئلہ میں یہ جواب قاطع ہے اور پھر ہم کہتے ہیں کہ ہر چند تمہارے
دلائل اور ہمارے دلائل میں تعارض ہے مگر ترجیح ہمارے ساتھ ہے اور بیان اس کا کئی
وجوہ سے ہے **اول** یہ کہ تمہارے اخبار کے راوی انس و ابن مغفل ہیں اور ہمارے قول
کے راوی علی ابن ابیطالب اور ابن عباس اور ابن عمر اور ابوہریرہ ہیں۔ اور یہ لوگ
ازروئے علم و قربت رسول خدا کے انس اور ابن مغفل سے افضل ہیں۔ **دوسرے** یہ کہ
مذہب ابوحنیفہ کا یہ ہے کہ خبر واحد قیاس کے خلاف وارد ہو تو قبول نہ کی جائے اسی
لئے ابوحنیفہ نے خبر مصراۃ کو قبول نہیں کیا حالانکہ وہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہے اور ابوحنیفہ نے کہا کہ قیاس خلاف اس کے ہے۔ جب یہ ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ ہم
نے بیان کیا ہے کہ عقل صریح ناطق اس امر پر ہے کہ ظاہر کرنا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اولیٰ
ہے اخفا سے پس کیا وجہ ہے کہ اس بیان ظاہر بدیہی پر قول انس اور ابن مغفل کا ترجیح دیا
جائے۔ **تیسرے** یہ کہ بداہۃً معلوم ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بزرگوں کو چھوٹوں پر اور علما کو غیر علما پر اور اشراف کو اعراب پر ترجیح دیتے تھے۔
اور اس میں شک نہیں ہے کہ علی اور ابن عباس اور ابن عمر بہ شہرف و علم و بلندی درجہ
میں انس و ابن مغفل سے افضل و اعلیٰ تھے اور غالب مظنہ پر یہ ہے کہ علی اور ابن عباس
نماز میں حضرت کے قریب کھڑے ہوتے تھے۔ اور انس اور ابن مغفل دور۔ اور ایضاً
وہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ بموجب حکم خدا کہ
فرمایا ہے لاتجہر بصلوٰتک ولا تخافت بہا۔ اور ایضاً۔ انسان جب قرأت شروع
کرتا ہے تو ابتدا میں آواز ضعیف سے شروع کرتا ہے پس ساعت بہ ساعت آواز قوی

ہوتی جاتی ہے پس ان امور سے ظاہر ہے کہ علی اور ابن عباس وغیرہ نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسملہ کے جہر کو سنا اور انس ابن مغفل نے نہیں سنا۔ **چوتھے** یہ کہ جہر کی کیفیت ثبوتیہ ہے اور اخفا کی عدمیہ۔ اور روایت مثبتہ نافیہ سے اولی ہے **پانچویں** یہ کہ دلائل عقلیہ ہمارے موافق ہیں اور عمل علی ابن ابی طالب کا ہمارے ساتھ ہے اور جس نے اپنے دین میں علیؑ کو پیشوا قرار دیا بہ تحقیق کہ وہ عروۃ الوثقیٰ سے متمسک ہوا۔

اور جو قول خدا واذکر ربک فی نفسک سے متمسک ہوئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کو مجرد ذکر پر حمل کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے مراد کلام خدا ہے بر سبیل عبادت وخضوع کے پس جہر اس میں اولیٰ ہے۔ تمام ہوا کلام فخر رازی کا جو ہم نے تفسیر کبیر سے نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ **مصنف** کتاب ہذا فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے اس عبارت سے کئی فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ **اول** یہ کہ انس سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر و عمر بسملہ کو جہر سے پڑھتے تھے اور ابو ہریرہ سے بھی مثل اس کے مروی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں بہ سبب عام ہونے کے دلالت کرتے ہیں کہ وہ حضرت ہر نماز میں بسملہ کو جہر سے پڑھتے تھے اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے رازی نے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر کا مذہب یہ تھا کہ بسملہ کو ہر نماز میں جہر سے پڑھیں۔

**دوسرے** یہ کہ حدیث جہر بسملہ حضرت امیر علیہ السلام سے بتصریح

فخر رازی و علامہ نیشاپوری متواتر ہے اور یہ امر دال ہے اس پر کہ مشروع بسملہ میں جہر ہے۔ جانب خدا و رسول سے اور آہستہ پڑھنا اس کا بدعت ہے کیونکہ اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے کہ حضرت امیر عمل نہیں کرتے تھے مگر اس پر جو خدا و رسول کی جانب سے مشروع ہو اور ترک نہیں کرتے تھے مگر اس امر کو جو ائمہ ضلال کی طرف سے بدعتہً جاری ہو۔ اور قاضی عیاض نے کتاب شفا میں ذکر کیا ہے کہ فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے کہ میں نبی نہیں ہوں اور نہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ مگر میں موافق کتاب خدا و سنت رسول خدا کے عمل کرتا ہوں جس قدر کہ مجھ میں طاقت ہے۔

**تیسرے** یہ کہ آہستہ پڑھنا بسملہ کا حضرت عثمان کی بدعت ہے۔ بلا خلاف اس لئے کہ ابن مغفل نے کہا ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور پیچھے ابوبکر و عمر و عثمان کے نماز پڑھی ہے۔ یہ لوگ قرات کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ اور انس کہتے ہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر بسملہ کو جہر سے پڑھتے تھے۔ (اور ابوہریرہ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے) اس میں حضرت عثمان کا ذکر نہیں کیا ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان سے بسملہ کے اخفات کی ابتدا ہوئی ہے اور اس میں کسی کو خلاف نہیں ہے پس یہ بدعت ہے اور کوشش بنی امیہ کی اخفات میں بسملہ کے اس کی تائید کرتی ہے اس لئے ان کا شعار یہ تھا کہ عثمان کے طریقوں کو زندہ کریں اور سنتوں کو رسول خدا علیہ وآلہ التحیۃ والثناء کے ضائع کریں تا مخالفت امیر المومنین علیہ السلام کی پوری حاصل ہو۔

(مترجم کہتا ہے کہ بعض کم فہم آدمی افعال خلفا کو بھی سنت کہتے ہیں ہر چند وہ خلاف

طریقہ رسول خدا ہو اور یہ امر بداہتہً باطل ہے اور صحیح ابن ماجہ کے باب اجتناب البدع و الجدال میں مرقوم ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اجتناب کرو تم نئے کاموں سے بدرستیکہ نئے کام بہت برے ہیں اور جو نیا کام ہے وہ بدعت ہے اور جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے۔ انتہی۔ اس حدیث میں سب مسلمانوں کی طرف خطاب ہے جن میں حضرات خلفائے ثلثہ بھی داخل ہیں پس اگر یہ بھی خلاف طریقہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ کے کوئی کام کریں تو وہ بھی بدعت ہے)

**چوتھے** یہ کہ ابو حنیفہ صاحب اور ابن حنبل نے بنی امیہ کی پیروی اور امیر المومنین علیہ السلام کی مخالفت کر کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اخفات کو اختیار کیا ہے باتواتر حدیث جہر چنانچہ سیوطی نے رسالہ قطف الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ میں اس حدیث کو احادیث متواترہ میں ذکر کیا ہے۔ اور شیخ علی متقی نے بھی اپنے رسالہ میں اس کو متواترات میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ امر بھی معلوم ہوا کہ جہر بسملہ حضرت امیر سے ائمہ اہلسنت کے نزدیک بھی بہ تواتر ثابت ہے۔ **پس** کونسی شئے ابو حنیفہ صاحب اور ان کے معتقدین کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جہر قبول کرنے کی مانع ہوئی بغیر مخالفت علی علیہ السلام کے۔ اور جو ان کے اخبار ہیں مضطربہ ہیں۔ اور بطریق احاد مروی ہیں اور احادیث متواترہ سے اور عمل علی علیہ السلام سے کہ وہ بھی بہ طریق متواتر مروی ہے۔ معارض ہیں پس ہرگز یہ اخبار قابل قبول اور لائق عمل نہیں ہیں اور واجب

---

چھاپہ عمدۃ المطابع صہ ۹

ہے کہ احادیث متواترہ پر عمل کیا جائے۔ پس جن لوگوں نے احادیث متواترہ کو چھوڑ کر اخبار احاد پر عمل کیا ہے محض اسی لئے ہے کہ کسی طرح اہلِ بیت علیہم السلام کی مخالفت ہو۔ اور میں اس مقام پر اور چند روایتیں اثبات میں جہر بسملہ کے نقل کرتا ہوں تا ناظرین زیادہ مستفید ہوں شیخ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ دارقطنی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خداؐ نے کہ جبرئیل نے مجھے نماز تعلیم کی ہے پس حضرت کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ہر رکعت جہریہ میں پڑھا۔ اور ثعلبی نے علی بن زید بن جذعان سے روایت کی ہے کہ تینوں عبداللہ قرائت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے تھے۔ اور اس کو جہر سے پڑھتے تھے یعنی عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر، اور دارقطنی نے نعمانؓ بن بشیر سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جبرئیل نے پیش نمازی کی نزدیک کعبہ کے پس بسملہ کو جہر سے پڑھا۔ اور ثعلبی نے روایت کی ہے کہ جب علیؑ نماز میں سورہ شروع کرتے تھے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے اس کو ترک کیا اس نے نقص کیا اور کہتے تھے کہ آیہ بسملہ تمام کرنے والا سبع مثانی کا ہے اور روایت کی ہے شافعی نے اور دارقطنی نے اور حاکم نے اور تصحیح کی ہے اور بیہقی نے معاویہ سے کہ جب وہ مدینہ میں آیا تو اہل مدینہ کے ساتھ نماز پڑھی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہ پڑھا اور جھکتے اور سیدھے ہوتے وقت تکبیر بھی نہیں کہی۔ جب سلام کہہ چکا تو مہاجرین اور انصار نے ندا کی کہ آیا تو نے نماز کو چرالیا کہاں ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور کہاں ہے تکبیر پس جب اس کے بعد معاویہ نے نماز

پڑھی تو فاتحہ کے اول میں اور اس کے بعد کے سورہ کے اول میں بسملہ کو پڑھا اور جھکتے وقت تکبیر بھی کہی ـــ اور روایت کی ہے بزاز اور دارقطنی نے اور حاکم نے اور تصحیح کی ہے اور بیہقی نے ابن عباس[6] سے حضرت رسالتؐ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اور طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے نافع سے روایت کی ہے کہ جب ابن عمر[7] نماز شروع کرتے تھے تو سورہ حمد میں اور دوسرے سورے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے رسول خدا سے اسی طرح سنا ہے۔ اور دارقطنی نے اور حاکم نے انس[8] سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسالتؐ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے سنا ہے۔ اور دارقطنی اور حاکم اور بیہقی نے ابوہریرہ[9] سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ بسملہ کو جہر سے پڑھتے تھے۔ اور دارقطنی نے ابن عمر سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خداؐ کے پیچھے اور پیچھے ابوبکر و عمر کے نماز پڑھی، وہ بسملہ کو جہر سے پڑھتے تھے اور دارقطنی نے بریدہ[10] سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر سے پڑھتے سنا ہے، اور دارقطنی نے حکم بن عمیر[11] سے کہ بدری ہیں روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے رسول خدا کے پیچھے نماز پڑھی ہے حضرت نے اس نماز میں اور نماز شب میں اور نماز صبح میں اور نماز جمعہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے پڑھا۔ اور دارقطنی نے عائشہ[12] سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے پڑھتے تھے۔ انتہی (یہ سب روایتیں کہ متواتر بالمعنیٰ ہیں تفسیر درمنثور میں مرقوم ہے)

**پانچویں** یہ جو امام شافعی نے روایت کی ہے کہ معاویہ مدینہ میں آیا اور نماز

پڑھی اور بسملہ کو ترک کیا اور جھکتے سیدھے ہونے کے وقت تکبیر ہی نہیں کہی اور بعد سلام مہاجرین وانصار نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ تو نے نماز میں چوری کی کہاں ہے بسملہ اور تکبیر پھر معاویہ نے نماز کا اعادہ کیا ساتھ بسملہ و تکبیر کے جس طرح سے کہ سابق میں بیان ہوا۔ اسی طرح بغوی نے شرح سنت میں معاویہ سے روایت کی ہے۔

پس یہ دونوں روایتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ تکبیر کہنا جھکتے اور سیدھے ہوتے وقت سنت تھا اور سب لوگ جانتے تھے پس اس کو عمداً لوگوں نے ترک کیا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ چھٹے یہ کہ فخر رازی اور علامہ نیشاپوری کے اقرار سے ثابت ہوا کہ انس بن مالک نے جھوٹ کہا ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے (وفیہا تہمۃ اخریٰ) پس خدا تعالیٰ ان کے زبان پر اس کلام کو جاری کر دیا ہے اور جب ائمہ اہلسنت کذب صحابہ کا اقرار کریں اور اس پر دلیل لائیں تو پھر شیعہ بھی بعض صحابہ کی تکذیب کریں تو ان کا کیا قصور ہے۔

اور جو رازی اور نیشاپوری نے ذکر کیا ہے کہ مظنہ یہ ہے کہ انس اور ابن مغفل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کھڑے ہوتے تھے اس لئے بسملہ کو نہ سنا ہوگا۔ پس یہ بات ایسی ہے جس پر عورتیں پس مردہ بھی ہنس دیں گی۔ کیونکہ انس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں نے ابوبکر، عمر، اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھی ہے جیسا کہ رسول خدا کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ ان کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ پس کیا انس ابوبکر و عمر و عثمان سے بھی دور کھڑا ہوتا تھا کہ ان میں سے کسی آواز بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے وقت نہیں سنی۔ آیا ممکن ہے کہ ایک مرد مصاحب قریب تیس چالیس برس کے نزدیک رہے اور سفر و حضر میں نماز ساتھ پڑھے پھر اس کلام کو جو رات دن میں

چھ مرتبہ یا زیادہ اس سے جہر سے وہ لوگ پڑھتے ہوں کبھی نہ سنے۔ کونسا عاقل ایسی بات کہے گا۔ اور اگر انس نے بسملہ کو جہر سے پڑھتے ہوئے ان میں سے کسی کو نہیں سنا تھا پھر کیونکر کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر و عمر بسملہ کو جہر سے پڑھتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ جب کلام یہاں تک پہونچا تو عجب نہیں کہ متعصبین اس کو دیکھ کر مبہوت ہوجائیں۔ اور منصفین راہِ حق اختیار کریں اور جاننا چاہیے کہ انس اور ابن مغفل اور بعض دوسرے لوگ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتے تھے یہاں ابن مغفل نے تو حضرت عثمان کی نصرت کے لیے جھوٹ کہہ دیا۔ اور انس نے بہ خوف بنی امیہ جھوٹ کہا۔ کتاب تلویح کے دوسرے رکن میں مرقوم ہے کہ جہر بسملہ کی حدیث اصحاب کے نزدیک مشہورات سے تھی یہاں تک کہ اہل مدینہ نے اس حدیث سے مثل معاویہ پر احتجاج کیا اور بہ سبب ترک کرنے جہر بسملہ کے اس پر اعتراض کیا اور وہ حدیث ابوہریرہ اور انس سے بھی مروی ہے مگر روایتیں انس کی اس مسئلہ میں مضطرب ہیں اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ کوشش بلیغ جہر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم فرماتے تھے پس معاویہ اور بنی امیہ اس امر کے درپے ہوئے کہ علی کے آثار کو مٹادیں لوگوں نے ترک پیروی علی پر بنی امیہ کی بیعت کی اس لیے انس نے خوف کیا۔ انتہی۔ اور صاحب کنزالوصول فی شرح عزالاصول نے ذکر کیا ہے کہ بسملہ سے شروع کرنے کا مسئلہ انس سے پوچھا گیا انس نے جواب دیا کہ مجھے اس امر میں کوئی حدیث یاد نہیں۔ انتہی۔ اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ ابوسلمہ سعید بن یزید نے انس سے اس مسئلہ کا سوال کیا تو انس نے جواب دیا کہ تو نے وہ خبر مجھ سے پوچھی ہے جو مجھے یاد نہیں۔ انتہی۔

پس یہ روایتیں اور علماء کی تصریحیں دلالت کرتی ہیں اس امر پر کہ انس نے رسول خدا علیہ وآلہ التحیۃ والثنا پر جھوٹ باندھا ہے اس قول میں جو کہا ہے کہ میں نے رسول خدا کے پیچھے اور فلاں وفلاں کے پیچھے نماز پڑھی ہے کسی نے ان میں سے . . . بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہر سے نہیں پڑھا. حالانکہ خود انس دوسری روایت میں یہ کہتے ہیں کہ رسول خدا بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہر سے پڑھتے تھے ــــ پس جس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نماز میں جہر سے پڑھنا ترک کیا اس نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی. اور بدعت میں معاویہ کے ترک کرنے پر طریقہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور مٹا دینے پر آثار امیر المومنین علیہ الصلوات میں رب العالمین کے داخل ہوا.

چوتھا الزام اس میں ہے کہ ابو حنیفہ صاحب نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنا جائز جانتے ہیں اور یہ بدترین الزامات ہے جو متعلق بہ نماز ہیں. پہلے اس سے ہم نے تبصریح فخر رازی بیان کر دیا ہے کہ قدر واجب ابو حنیفہ صاحب کے نزدیک نماز میں قرائت ایک آیت کی ہے یعنی اگر کوئی نماز میں ایک آیت پڑھے جیسا کہ ہے مدھامتان تو کافی ہے. اور نماز صحیح ہے. لطف مزید یہ کہ امام ابو حنیفہ صاحب نے نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کو بھی جائز جانا ہے. اور ترجمہ مدھامتان کا فارسی میں دو برگ سبز ہے. اور ہندی میں دو پتے ہرے. پس منصفین از رہ انصاف فرمائیں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر پر مبعوث ہوئے ہیں کہ لوگوں کو دو پتے ہرے کی قرائت کی طرف دعوت فرمائیں. قسم بہ پروردگار خانہ کعبہ کہ ہرگز وہ حضرت اس امر کے لئے مبعوث نہیں ہوئے اور نہ خدا اور رسول اس پر راضی ہیں. بلکہ یہ نتائج سے رائے امام اعظم اہل سنت

کی ہے۔ پس غور کرنا چاہیے ان کی فکرِ عالی اور رائے رسا کی طرف کہ کیسا امر احداث کیا

اور کیا اچھا فتویٰ دیا جس سے لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص سو برس تک زندہ رہے اور

مدت العمر کہا کرے دو پتے ہرے اور اس کے سوائے کچھ نہ پڑھے تو وہ قاری قرآن اور مطیع یزداں

کہلائے افسوس ہے ایسی عقل پر یہ بات تو کوئی مسلمان اور کوئی دیندار اپنی زبان سے

نہ نکالے گا۔ اور ہرگاہ خود امام رازی اہلسنت امام اعظم پر رد کرنے کے متکفل ہوگئے تو

ہمیں تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم فقط عبارتِ فخر رازی کی اس مقام پر

نقل کئے دیتے ہیں۔

**امام اہلسنت یعنی فخرالدین رازی تفسیر کبیر** کے اوائلِ تفسیر سورۃ فاتحہ

میں کہتے ہیں **مسئلہ گیارھواں** کہا شافعی نے کہ ترجمان قرآن کا واسطے صحت نماز کے

کسی شخص کے حق میں کافی نہیں ہے خواہ وہ قرآن کو اچھا پڑھ سکتا ہو خواہ نہ پڑھ سکتا

ہو اور کہا **ابوحنیفہ** نے کہ ترجمہ قرآن کا کافی ہے حق میں قادر اور عاجز کے۔

فخر رازی کہتے ہیں کہ مذہب ابوحنیفہ کا اس مسئلہ میں نہایت بعید ہے۔ اسی سبب

سے ابواللیث سمرقندی اور قاضی ابوزید دبوسی نے تصریح کی ہے اس مذہب کے

ترک کرنے کے لئے۔ پھر امام رازی نے مذہب شافعی کی تقویت میں پندرہ حجتیں بیان

کی ہیں۔ اگر ہم ان سب کو نقل کریں تو کلام میں طول ہوگا اس لئے چند حجتوں کے ذکر پر

اکتفا کرتے ہیں اوّل یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے جو قرآن خدا تعالیٰ کے پاس

سے بہ لفظ عربی نازل ہوا اسی سے نماز پڑھتے تھے اور مدت العمر اس پر مواظبت کی۔ پس

واجب ہے کہ ہم بھی اسی طرح پڑھنا لازم ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے واتبعوہ یعنی

پیروی کرو تم رسولؐ کی اور عجب یہ ہے کہ پیشانی کا مسح شرط صحت وضو ہونے پر ابو حنیفہ نے احتجاج کیا ہے [illegible] ۔ کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ نے ایک مرتبہ پیشانی پر مسح کیا تھا۔ اور مدت عمر کی مواظبت پر کہ حضرت ہمیشہ لفظ عربی سے قرآن پڑھتے تھے التفات نہ کی۔ دوسرے یہ کہ آدمی حکم کیا گیا ہے کہ نماز میں قرآن پڑھے پس کسی نے فارسی سے پڑھا تو اس نے قرآن نہ پڑھا اور جب قرآن نہ پڑھا تو اپنے عہدہ سے فارغ نہ ہوا۔ اور ہم نے جو کہا کہ حکم قرأتِ قرآن کا ہوا ہے دلیل اس پر قولہ تعالٰے ہے یعنے فاقرؤا ما تیسر من القرآن اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ ہے کہ اعرابی سے فرمایا ثم اقرأ بما تیسر من القرآن اور وہ جو ہم نے کہا کہ کلام مترجَّم فارسی قرآن نہیں ہے اس کی کئی دلیلیں ہیں اوّل یہ کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے ۔۔۔۔
انہ لتنزیل رب العالمین (الی قولہ) بلسان عربی مبین یعنے بہ تحقیق کہ یہ قرآن پروردگار عالم کے پاس سے نازل ہوا ہے۔ ساتھ زبان عربی روشن کے۔

دوسرے یہ کہ خدائے پاک نے فرمایا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔

تیسرے یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولو جعلناہ قرآنا اعجمیا یعنے اگر کرتے ہم اس کو قرآنِ عجمی۔ اور کلمہ لَو فائدہ دیتا ہے انتفاء شی کا بہ سبب انتفا اس کے غیر کے اور یہ دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ خداوند عالم نے قرآن کو عجمی نہیں کیا پس یہ بات لازم ہے اس امر کو کہا جائے کلما کان اعجمیا لیس بقرآن یعنے جو عجمی ہے وہ قرآن نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضہم لبعض ظہیرا۔ یعنی کہہ تو کہ اگر انس و جن

جمع ہوں اس امر پر کہ مثل اس قرآن کے لائیں تو ہرگز مثل اس قرآن کے نہ لاسکیں گے
ہرچند بعض ان میں سے بعض کے مددگار رہیں۔ پس یہ کلام جو فارسی سے مرتب ہوا ہے تین حال
سے خالی نہیں یا وہ عین قرآن ہے۔ یا مثل قرآن ہے۔ یا نہ عین قرآن ہے اور نہ مثل قرآن
پس امرِ اول بداہۃً باطل ہے اور امر ثانی بھی باطل ہے اس لئے کہ یہ کلام فارسی اگر مثل قرآن
کے ہو تو یہ بات لازم آئے گی کہ لوگ مثل قرآن کا لائے اور یہ امر موجب اس بات کا ہے کہ خدائے
پاک کی تکذیب ہو (معاذ اللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس قرآن کا مثل نہ لاسکیں گے۔
پس جب یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ کلام نہ عینِ قرآن ہے نہ مثل قرآن۔ تو یہ بھی ثابت ہوا کہ
فارسی اس کا قاری قرآن نہیں اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ پس ثابت ہوا یہ امر کہ جب مکلّف
کو حکم قرائت قرآن کا ہو اور وہ نہ بجالائے تو واجب ہے یہ کہ وہ امر ذمہ میں اس کے باقی ہو۔
تیسرے یہ کہ ابوحنیفہ کے نزدیک تمام آیتوں سے نماز صحیح ہے اور شک نہیں کہ توراۃ میں
بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ آیاتِ قرآن کے مطابق ہیں ثنائے خدا میں تعظیم امر آخرت میں
مذمت دنیا میں پس بنا بر مذہب خصم کے توراۃ اور انجیل کے پڑھنے سے اور زند واستا
کے پڑھنے سے نماز صحیح ہوگی۔ پس اگر کوئی آدمی دنیا میں آئے اور سو برس تک زندگی کرے
اور اس مدت میں ایک حرف قرآن کا نہ پڑھے بلکہ ہمیشہ زند واستا پڑھتا ہے پھر وہ خدا
سے ملاقات کرے حالانکہ وہ خدا کا مطیع ہو۔ بداہۃً معلوم ہوا ہے کہ یہ کلام مسلمانوں کے دین کے
لائق نہیں ـــــ چوتھے یہ کہ اگر قرآن کا ترجمہ پڑھنا جائز ہوتا تو البتہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سلمان فارسی کو اجازت دیتے کہ قرآن کو فارسی سے پڑھا کریں۔ اور اسی سے نماز بھی
پڑھیں اور صہیب کو اجازت دیتے کہ قرآن زبانِ رومی میں پڑھیں اور بلال کو اجازت

دیے کہ زبانِ حبش میں پڑھیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ امر مشہور ہو جاتا اور جواز اس کا
خلق میں شہرت پاتا۔ اور اس سبب سے جو ارباب لغات لغۃ عربی سیکھنے میں مشقت
اٹھاتے ہیں وہ مشقت رفع ہو جاتی اور قوم کے لئے ایک فخر عظیم ہوتا کیونکہ ہر ایک کے واسطے
ان کی لغتِ خاص میں ایک قرآن تیار رہتا۔ اور معلوم ہے کہ تجویز کرنے سے اس امر کے نوبت
یہاں تک پہونچتی کہ قرآن بالکلیہ نابود ہو جائے۔ پس کوئی مسلمان ایسے امر کا قائل نہ ہوگا۔
اور پھر رازی بعد بیان کرنے پندرہویں حجت کے کہتے ہیں کہ مخالف نے اپنے مذہب کے
صحت پر باین طور احتجاج کیا ہے کہ نماز میں حکم قرأت قرآن کا ہوا ہے اور قرأت ترجمہ کی عین
قرأت قرآن ہے اس پر کئی وجوہ دلالت کرتے ہیں اول یہ کہ عبداللہ ابن مسعود سے مروی
ہے کہ وہ ایک شخص کو قرآن تعلیم کرتے تھے پس کہا انہوں نے ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم
اور وہ شخص عجمی تھا کہتا تھا طعام الیتیم۔ ابن مسعود نے کہا کہ طعام الفاجر پھر ابن
مسعود نے کہا کہ اگر کوئی قرآن میں بجائے العلیم کے الحکیم کہیں تو کوئی خطا نہیں بلکہ مقام پر
آیہ رحمت کے آیہ عذاب رکھ دیں تو بھی کچھ قباحت نہیں۔ دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ
نے فرمایا ہے وانہ لفی زبر الاولین یعنی یہ تحقیق کہ یہ پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں ہے
پس خدا نے خبر دی کہ کتاب اولین میں یہ قرآن تھا اور پھر فرمایا ہے ان ھذا لفی الصحف
الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ یعنے یہ تحقیق کہ یہ پہلے صحیفوں میں ہے یعنی صحف ابراہیم و
موسیٰ میں اور ہمارا اجماع ہے کہ یہ قرآن کتب اولین میں اس لفظ سے نہ تھا بلکہ زبان عبرانی
سریانی میں تھا۔ تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واوحی الیّ ھذا القرآن
لانذرکم بہ یعنے وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تا ڈراؤں میں تم کو اس کے ساتھ:

اور عجمی لفظ عربی نہیں سمجھتے مگر یہ کہ معنی اس کے ان کی زبان میں بیان کئے جائیں اور باوجود اس کے خدا نے نام اس کا قرآن رکھا ہے پس ثابت ہوا کہ وہ کلام جو فارسی میں مرتب ہوا ہے قرآن ہے۔

**اور جواب** دلیل اول کا یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ احوال ان لوگوں کا عجیب و غریب ہے کیونکہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے انا مومن انشاء اللہ تعالٰی اور سعی کرنا نصرت میں اس مذہب کے کسی صحابی سے منقول نہیں جیسا کہ ابن مسعود سے منقول ہے اور حنفیہ اس طرف التفات نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ قائل اس قول کا یعنی . . . انا مومن انشاء اللہ کا دین میں شک کرنے والا ہے اور شک کرنے والا مومن نہیں ہے۔ پس اگر یہ قول ابن مسعود کا حجت ہے تو اس مسئلہ میں یعنی جواز قرائت ترجمہ قرآن میں ابن مسعود کے قول کو قبول کرنا چاہیے (کیونکہ وہ دین میں شک کرنے والے ہیں) اور اگر ان کا قول حجت نہیں ہے تو اس مسئلہ میں بھی اعتماد نہ کریں۔ اور قسم ہے میری عمر کی کہ یہ عجیب مناقضات ہیں۔ اور ایضاً ابن مسعود سے منقول ہے کہ انہوں نے معوذتین کو اور سورۂ فاتحہ کو قرآن سے حذف کیا تھا۔ مگر ہم پر واجب ہے کہ ان پر گمان نیک کریں اور کہیں کہ انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا ہوگا۔ **اور قولہ** تعالٰی وانہ لفی زبر الاولین اور قولہ تعالٰی لانذرکم بہ کے معنے یہ ہیں کہ (کتب اولین میں اس قرآن کے معنے تھے) اور تاکہ ڈراؤں میں معنوں سے اس قرآن کے۔ اور اس قدر مجاز قلیل کا تحمل بہ سبب ان دلائل قاہرہ قاطعہ کے جو ہم نے بیان کئے ہیں جائز ہے۔ تمام ہوا کلام فخر رازی کا جو میں نے تفسیر کبیر سے نقل کیا ہے۔ **اور میں** کہتا ہوں کہ جو منقول ہے کہ ابن مسعود نے کہا

مثل طعام الفاجر اور کہا انا مومن انشاء اللہ اور معوذتین اور فاتحہ کو قرآن سے حذف کیا یہ روایتیں جھوٹی ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنی عقل فاسد اور خواہشات نفسانی کے موافق اس بیچارے کے نام سے وضع کی ہیں۔

**ساتویں برہان** اثبات میں اس امر کے ہے کہ قنوت پڑھنا ہر نماز میں رکوع سے پہلے سنّت ہے۔ شیخ ابن حجر **فتح الباری** میں شرح میں اس قول کے جو بخاری نے کہا ہے القنوت قبل الرکوع وبعدہ لکھتے ہیں کہ قنوت کئی معنوں پر اطلاق کیا جاتا ہے یہاں مراد قنوت سے یہ ہے کہ نماز میں محل مخصص از قیام دعا پڑھیں زین بن منیر نے کہا کہ بخاری نے اپنے اس قول سے (جو بیان ہوا) مشروعیت قنوت کو ثابت کر دیا ہے۔ اور اشارۃً اس شخص کی تردید کی ہے جو کہتا ہے کہ قنوت بدعت ہے مثل ابن عمر کے کیونکہ موطا میں ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ اور وجہ تردید یہ ہے کہ قنوت فعل نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ تمام ہوا کلام شیخ الاسلام کا اور **نسائی** نے اپنی صحیح میں انس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک قنوت پڑھا اور قنوت میں رعل اور ذکوان اور لحیان پر لعنت کرتے تھے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ نماز میں حالت قنوت میں کفار پر لعنت کرنا جائز ہے اور سنت ہائے نبویہ سے ہے اور محمد بن حسن صاحب ابی حنیفہ نے کتاب **آثار** میں ابراہیم سے وہ روایت کی ہے جو مظہر ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نماز کے قنوت میں معاویہ پر لعنت کرتے تھے۔ پس اگر نماز کے نماز منافقین پر لعنت کریں تو کونسی چیز مانع ہے اور حال یہ ہے کہ عین نماز میں کافروں پر لعنت کرنا طریقہ نبوی ہے۔

**اور طبری** نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ ہر نماز کے بعد معاویہ اور عمرو عاص وغیرہما پر لعنت کرتے تھے اور مثل اس کے نصر بن مزاحم اور ابراہیم بن دیزیل نے کہ اکابر اہل سنت سے روایت کی ہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ **صحیح** بخاری کی جلد اول باب فضل القنوت میں مرقوم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ **ابوہریرہ** نے کہا کہ البتہ میں رسول اللہ کی نماز کو قریب کر دیتا ہوں پس ابوہریرہ نماز پڑھتے تھے اور قنوت میں مومنین کے لئے دعا کرتے تھے اور کفار پر لعنت۔ انتہی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے اور ایضاً صحیح بخاری کی کتاب الوتر میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت پڑھا اور قنوت میں رعل و ذکوان پر لعنت کرتے تھے)

**اور صحیح** بخاری میں عاصم سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے انس سے قنوت کا سوال کیا تو کہا کہ ہاں قنوت ہے میں نے کہا رکوع سے پہلے یا بعد تو کہا کہ رکوع سے پہلے میں نے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے خبر دی ہے کہ تم نے کہا ہے کہ قنوت رکوع کے بعد ہے انس نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا ہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط ایک مہینہ تک بعد رکوع قنوت پڑھا ہے انتہی یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد رکوع کے بجز ایک مہینہ کے قنوت نہیں پڑھا کہ جس میں بعض مشرکین پر کہ جنہوں نے بعض اصحاب کو قتل کیا تھا لعنت کرتے تھے۔ اور اس ایک مہینے کے پہلے اور بعد اس کے ہمیشہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

**اور ابن حجر** فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کہتے ہیں کہ عاصم نے اس روایت میں عبد العزیز بن صہیب کی موافقت کی ہے جیسا کہ مغازی میں اس کا ذکر آئے گا اس لفظ سے

کہ سوال کیا ایک مرد نے انس سے کہ آیا قنوت قرائت سے فارغ ہونے کے وقت ہے یا رکوع کے بعد انس نے کہا کہ رکوع کے بعد نہیں بلکہ قرائت سے فارغ ہونے کے وقت ہے۔ اور اس روایت کی ابنِ حجر نے تصحیح کی ہے۔

اور صحیح ابن ماجہ میں اُبی ابنِ کعب سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ اور ایضاً ابن عباس سے مروی ہے کہ فرمایا اس حضرتؐ نے جب تو دعا کرے خدا تعالےٰ سے تو دعا کر ہتھیلیوں سے اور پشتِ دست سے دعا نہ کر اور جب دعا سے فارغ ہو تو ہتھیلیوں سے منھ پر مسح کر اور دعا اس حدیث میں مطلق ہے خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں پس چاہئے کہ قنوت میں بھی ہتھیلیاں بلند کریں۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے۔ حضرت نے فرمایا جس نماز میں قنوت کو طول دیں۔ اور پھر مسلم نے اپنی صحیح میں جابر سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے کہ بہترین نماز وہ ہے جس میں قنوت کو طول ہو۔

پس یہ روایتیں دلالت کرتی ہیں اس امر پر کہ قنوت کُل نمازوں میں سنت ہے خواہ وہ نماز فرض ہو خواہ نافلہ بہ سبب عام ہونے قول رسول خدا علیہ وآلہ التحیۃ والثناء کے کہ آپ نے فرمایا ہے افضل الصلوٰۃ طول القنوت اور یہ حدیثیں اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ طول دینا قنوت کو مستحب ہے۔

اور تفسیر درمنثور میں مرقوم ہے کہ طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے عائشہ سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں قبل رکوع کے قنوت پڑھتے تھے اور

فرمایا آپ نے کہ میں اس لئے تمہارے واسطے قنوت پڑھتا ہوں تاکہ تم خدا سے دعا کرو اور اپنی حاجتیں طلب کرو۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس پر کہ نماز کے قنوت میں خداوندِ عالم سے اپنی حاجتیں طلب کرنا جائز ہے اور طبرانی نے اوسط میں اور دارقطنی اور بیہقی نے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر قنوت کے کوئی نماز فرض نہیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح درِ منثور میں ہے پس افسوس ہے تارکین سننِ نبویہ پر کہ مثل اور امور مسنونہ کے اس سنتِ موکدہ کو بھی ترک کیا۔

**آٹھویں برہان** ذکر میں تشہد وسلام و تسبیح فاطمۃ الزہراء صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے اور بعض دوسرے امور کے ہے جاننا چاہیئے کہ ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک تشہد واجب نہیں ہے اسی طرح سلام اور ان کے نزدیک اتمام نماز اس طرح سے ہے کہ اپنے کسی فعل سے نماز سے خارج ہو ہر چند عمداً ایک حدث صادر کرے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ قریب میں ہوگا۔ اور شیخ الاسلام یعنے ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابنِ مسعود سے تصریح تشہد کے فرض ہونے کی وارد ہوئی ہے اور یہ اس روایت میں ہے جس کو دارقطنی نے بہ اسناد صحیحہ بطریق علقمہ ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے ہم نہیں جانتے تھے کہ کیا پڑھیں انتہے۔ اور ابن حجر متاخر مکی نے صواعق محرقہ میں قول وجوب تشہد کو امام شافعی سے اور ایک جماعت سے صحابہ کے مثل ابن مسعود و ابن عمر و جابر و ابی مسعود بدری وغیرہم کے اور ایک جماعت تابعین سے اور اسحٰق بن راہویہ اور احمد سے نقل کیا ہے۔ اور ایضاً ابن حجر مکی کہتا ہے کہ مالک کا ایک قول موافق شافعی کے ہے اور وہ حجت ہے اس کے اصحاب کی ایک جماعت کے لئے اور پھر کہتا ہے کہ بلکہ شیخ الاسلام خاتمۃ الحفاظ

ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ میں صحابہ اور تابعین سے کسی شخص کی تصریح عدم وجوب تشہد پر نہیں پاتا ہوں اور ایضاً صواعق میں ہے کہ ابن مسعود سے یہ روایت صحیح ہوئی ہے کہ آدمی نماز میں تشہد پڑھے پھر درود بھیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر اپنے لئے دعا کرو۔

**اور صواعق** میں تفسیر میں قولہ تعالےٰ انّ اللہ وملآیکتہ یصلّون علے النّبیّ یا ایّھا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما کے مرقوم ہے کہ کعب بن عجزہ سے اور روایت صحت کو پہونچی ہے کہ ہرگاہ یہ آیہ شریفہ نازل ہوا انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم کو آپ پر سلام کرنے کا طریقہ تو معلوم ہوا مگر صلوات آپ پر کس طرح بھیجیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللّٰھم صلّی علیٰ محمد وعلےٰ اٰل محمد ــــ

(مترجم کہتا ہے کہ صحیح بخاری کی ساتویں جلد کتاب دعوات میں کعب بن عجزہ سے یہی روایت مروی ہے) اور ایک روایت میں حاکم کے ہے کہ پس ہم نے عرض کی یا رسول اللہ درود آپ کے اہل بیت پر کیونکر بھیجنا چاہیے آپ نے فرمایا کہو اللّٰھم صلّ علی محمد وعلےٰ آل محمد (مترجم کہتا ہے کہ صحیح بخاری کی کتاب دعوات میں بھی مثل اس کے روایت ابوسعید خدری سے منقول ہے) ابن حجر کہتا ہے کہ سوال ان لوگوں کا بعد نازل ہوتے اس آیت کے اور جواب دینا حضرت کا بایں طور کہ کہو اللّٰھم صلّ علی محمد وعلےٰ اٰل محمد دلیل ظاہر ہے اس امر پر اہل بیت پر درود بھیجنے کا حکم ہوا ہے اور اہل بیت حضرتؐ کی آل ہیں اور وہی مراد اس آیت سے ہیں اور درود بھیجنا ان پر مامور بہ ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کو اس امر میں اپنے مقام پر قائم کیا ہے الخ۔ اور ایضاً **صواعق** میں ہے کہ دیلمی نے

روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے کہ دعا محجوب ہے (یعنے قبول نہیں ہوتی) تا آنکہ صلوٰۃ بھیجیں محمدؐ و اہلِ بیتِ محمدؐ پر۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ و آلہ اور حصن حصین میں بہ روایت نسائی وطبرانی حضرت امیر علیہ السلام سے ایسی ہی روایت منقول ہے۔ اور ایضاً صواعق میں مرقوم ہے کہ دار قطنی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرتِ رسالتؐ نے کہ جو شخص نماز پڑھے اور اس میں مجھ پر اور میرے اہلِ بیت پر درود نہ بھیجے تو وہ نماز قبول نہیں ہے۔ ابن حجر کہتا ہے کہ یہی حدیث قول شافعی کی مستند ہے کیونکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ درود بھیجنا آل رسول اللہؐ پر واجبات نماز سے ہے مثل اس کے کہ اُن حضرت پر درود بھیجنا واجب ہے۔ انتہےٰ۔ اور ایضاً صواعق میں تفسیر آیۂ مذکور میں مرقوم ہے کہ **شافعی** نے نظم کیا ہے :-

ع یا اھلَ بیتِ رسولِ اللّٰہ حبکم ۔۔۔ فرضٌ من اللّٰہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم ۔۔۔ من لم یُصلِ علیکم لا صلوٰۃ لہ

(یعنی اے اہلِ بیتِ رسول اللہ تمہاری محبت فرض ہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن میں اس کا حکم نازل کیا ہے اور تم کو اس قدر مرتبۂ عظیم کافی ہے کہ جس نے نماز میں تم پر درود نہ بھیجا اس کی نماز باطل ہوئی) اور ابنِ حجر کہتا ہے کہ فخر رازی نے ذکر کیا ہے کہ اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں۔ اول سلام میں کہ کہتے ہیں السلام علیک ایہا النبی اور خدا نے فرمایا ہے سلام علیٰ آل یٰسین دوسرے درود پڑھتے ہیں ان حضرت پر اور آل پر تشہد میں۔ تیسرے طہارت میں کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ طٰہٰ یعنے اے طاہر اور فرمایا یطہرکم تطہیرا۔ چوتھے صدقہ حرام ہونے میں۔ پانچویں محبت

میں کہ خداتعالےٰ نے فرمایا ہے فاتبعونی یحببکم اللہ اور فرمایا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یہ سب صواعق میں مرقوم ہے ۔

اور صاحب کنز الوصول فی شرح حرز الاصول نے ان احادیث سے جن کی صحت پر اتفاق ہے ذکر کیا ہے جابر بن عبداللہ سے رسول خدا تشہد میں اس طرح کہتے تے بسم اللہ وباللہ اور **موطاء** امام محمد میں منقول ہے کہ جب حضرت عائشہ تشہد پڑھتی تھیں تو کہتی تھیں ۔ التحیات الطیبات الصلوات الزاکیات للہ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین السلام علیکم انتہے ۔ اور ایضاً موطا میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو تشہد سکھلایا پس سلام کو شہادتین پر مقدم کیا ۔ اور وہ روایت اس طرح ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبد القاری سے مروی ہے کہ اس نے عمر کو منبر پر لوگوں کو تشہد تعلیم کرتے ہوئے سنا اس طرح کہ عمر کہتے تھے کہ کہو تم التحیات للہ الزاکیات الطیبات الصلوات للہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ برکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ تمام ہوئی روایت موطا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہم صل علی محمد وآل محمد کو حضرت عمر ہی نے تشہد سے ساقط کیا ہے پھر ان کے معتقدین نے ان کی پیروی کی ۔

اور **ترمذی** نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نماز میں ایک سلام اپنے روبرو کہتے تھے اور داہنی طرف اپنے منھ سے میل فرماتے تھے یعنے اشارہ کرتے تھے اور مشکوۃ میں بھی حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآب نماز میں

اپنے منھ کے مقابل ایک سلام کہتے تھے اور داہنی طرف منھ سے ذرا اشارہ کرتے تھے۔

اور بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحوں میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تمام ہونے کو تکبیر سے پہچانتا تھا۔ ذکر اس کا مشکوۃ میں بھی ہے اور فتح الباری میں یہ روایت بروایت حمیدی سفیان سے بطریق حصر مذکور ہے یعنے ہم نہیں پہچانتے تھے آنحضرتؐ کی نماز کے اتمام کو مگر تکبیر سے اسی طرح مسلم نے بھی سفیان سے روایت کی ہے اور نسائی نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے مثل روایت بخاری روایت کی ہے۔ پس ان حدیثوں سے دو چیزیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ بوقت سلام اس قدر منھ نہیں پھیرتے تھے جس سے لوگ واقف ہوں ورنہ ابن عباس ختم نماز کو اسی منھ پھیرنے سے معلوم کر لیتے اور اہل سنت اس کے خلاف کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جناب رسول خدا علیہ وآلہ التحیۃ والثنا ہمیشہ ہر نماز کے بعد بمجرد ختم نماز کے تکبیر کہتے تھے یہاں تک کہ ابن عباس وغیرہ حضرتؐ کی نماز کے ختم ہونے کو نہیں پہچانتے تھے مگر تکبیر سے اور یہ تکبیر کہنا شیعہ کے پاس افضل تعقیبات سے ہے اسی لئے اس پر مواظبت کی ہے اور ہر نماز کے بعد تین تکبیریں کہتے ہیں جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں ہے۔

**اور مشکوۃ میں** ابوہریرہ سے منقول ہے کہ ایک روز فاطمہ زہراؑ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور ایک خادمہ طلب کی۔ حضرتؐ نے فرمایا اے فاطمہؑ میں تجھے ایک چیز سکھاتا ہوں کہ وہ خادمہ سے بہتر ہے پس تو ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر کہہ اس کو مسلم نے روایت

کیا ہے اور شیخ عبدالحق دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں کہتے ہیں کہ خواندن این تسبیح درین حدیث
بعد از نماز و نیز در خواب رفتن ہر دو واقع شدہ و در حدیث سابق نیز در خواب است فقط و
خواندن بعد از نماز مقرر و مشہور است و از امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ اند کہ
فرمود ہرگز این ورد از من فوت نہ شد حتی در شب صفین نیز۔ اور روایت شیعہ میں
میں اللہ اکبر مقدم ہے اور سبحان اللہ آخر میں ہے اور الحمد للہ وسط میں ہے۔
اور ابوداؤد نے اپنی صحیح میں ابوبکرہ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ
کو جب کوئی امر خوشی کا درپیش ہوتا تھا یا کوئی خوشخبری دی جاتی تھی تو حضرت سجدہ میں
جھک جاتے تھے اور خدا کا شکر بجا لاتے تھے۔ اور عبدالحق دہلوی نے کتاب
جذب القلوب الی دیار المحبوب میں لکھا ہے کہ بیہقی در شعب الایمان از عبدالرحمٰن
بن عوف می آرد کہ در مسجد نبوی افتادہ بودم ناگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از
درے کہ متصل آنست بیرون آمد و من نیز بر اثر آن سرور روان شدم پس در بستانی از
اسواف در آمد و وضو کرد و دو رکعت نماز بہ گزارد و بعد از نماز سجدہ در رفت سجدہ
در غایت طول کرد گمان بردم کہ مگر روح پاک او را تعلقین بردند از مشاہدہ آن حالت
مرا گریہ در گرفت و بعد از ان سر برداشت و پرسید چہ شدہ است ترا کہ گریہ می کنی گفتم
یارسول اللہ چندان سجدہ دراز کردی کہ ترسیدم مگر روح پرفتوح ترا بہ آسمان بردند،
فرمود جبرئیل آمد و از حضرت وحی آورد کہ پروردگار تو می فرماید ہر کہ بر تو درود فرستد
من بر وے درود فرستم و ہر کہ بر تو سلام فرستد من بر وے سلام فرستم و بروایتی ہر کہ بر تو صلوات فرستد دہ حسنہ
نام او نویسیم و بروایتی دہ صلوات بر وے فرستم پس سجدہ شکر کردم پروردگار خود را بر این معنی بیہقی از حاکم می آرد،

کلام شیخ عبدالحق دہلوی کا۔

**پس** یہ وہ روایتیں تھیں جو نماز سے متعلق ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے برسبیل اجمال کیا ہے اور جو شخص تفصیل چاہے پس وہ کتب مطولہ مثل منتہی المطلب مصنفہ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ وغیرہ وکتب احادیث اہل سنت ملاحظہ فرمائے اور اسی قدر بیان سے اور اتنی ہی حدیثوں سے ناظرین منصفین کو معلوم ہوگیا کہ مخالفین نے نماز کو ضائع کیا اور سنتوں کو چھوڑ دیا اور بدعتوں کو قائم کیا اور شریعت کو بدل ڈالا اور احکام خدا اور رسول کی مخالفت کی باایں ہمہ پھر اپنے کو اہل سنت وجماعت کہتے ہیں۔

ذرا انصاف فرمائیں اور غور کریں کیا یہی اہل سنت کا طریقہ ہے جو بیان ہوا کیا اسی طرح خلاف احادیث صحاح جو متفق علیہا ہیں عمل کرنے کو سنت سمجھتے ہیں افسوس ہے ایسی عقل پر اور حیف ہے ایسے فہم پر۔ یہ **نتیجہ** فقط اہل بیت علیہم السلام کی مخالفت کا ہے اگر موافق حدیث متواترہ ثقلین کے اہل بیت علیہم السلام کی متابعت کرتے اور متمسک بہ دامن ائمہ اطہار ہوتے تو کیوں یہ انجام ہوتا اور کیوں ایسی گمراہی حاصل ہوتی اور **وجہ تسمیہ** ان لوگوں کا ساتھ اہل سنت وجماعت کے یہ ہے کہ خواجہ محمد پارسا جو اکابر علماء اہل سنت سے ہیں کتاب **فصل الخطاب** میں کہتے ہیں کہ جب حسن رضی اللہ عنہ نے حکومت معاویہ کے سپرد کی تو نام اس سنہ کا سنت الجماعت ہوا پس جو لوگ کہ مطیعان معاویہ تھے انہوں نے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھا اور اس قدر اطاعت معاویہ میں ان لوگوں کی نوبت پہونچی تھی کہ ایک مرتبہ معاویہ نے ہفتہ کو نماز جمعہ کی پڑھی اور کہا کہ مجھے کل کچھ عذر تھا جیسا کہ **تذکرۃ الخواص** میں لکھا ہے پس کسی شخص نے اس امر میں اس کی

مخالفت نہیں کی اور کچھ اعتراض نہ کیا۔ اسی طرح طامعین زخارف دنیوی نے خلفائے بنی امیہ و بنی العباس وغیرہ کی اس قدر طاعتیں کیں اور اس قدر ان کی نصرت کو عمل میں لائے کہ دین برباد گیا اور حق پوشیدہ ہو گیا۔ گمراہی پھیل گئی امر باطل شائع ہو گیا۔ اہل حق مغلوب و مظلوم و مقتول ہوئے اور صداقت حدیث جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ظاہر ہوئی کہ آپ نے فرمایا کہ بدء الاسلام غریباً و سیعود غریبا۔ حاصل معنی یہ کہ اسلام ابتداء میں بھی غریب تھا اور قریب ہے کہ پھر غریب ہو جائے۔ پس پچھلے لوگوں نے اپنے اگلے بزرگوں کی غوایت و ضلالت کو میراث میں لیا اور ان کے افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ کے وارث ہوئے اور باطل نے شیوع اور غلبہ کیا اور بلائیں اہل حق پر عظیم ہوئیں پس اہل حق نے اپنا ملجاء و ماوا بغیر تقیہ کے کہیں نہ پایا۔

**فائدہ** خوف کے وقت تقیہ کرنے کے بیان میں ترجمہ **تاریخ طبری** میں خبر اسلام میں حضرت ابوبکر کے اس طرح لکھا ہے۔ پس عبد الرحمن بن عوف مسلمان شد پس طلحہ بن عبد اللہ پس سعد بن ابی وقاص تا سی و نہ تن مسلمان شدند و دین پنہاں ہمی داشتند و بہ مسجد مکہ نماز نیارستندے کردن نہ ایشان و نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و نماز اندر خانہ کردندے و یا بر کوہ خرا بر شدندی و نماز بکردندے تا آخر۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے در منثور میں لکھا ہے کہ روایت کی ہے ابن جریر نے ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے تا آنکہ نازل ہوا فاصدع بما تؤمر پس حضرت اور اصحاب آپ کے باہر نکلے۔ اور ابو نعیم نے دلائل میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کئی سال تک چھپے رہے اور کسی چیز کو جو خدا نے نازل فرمایا تھا ظاہر نہ کیا تا آنکہ نازل ہوا فاصدع بما تؤمر یعنے ظاہر کر تو اپنے امر کو مکہ میں پس بہ تحقیق کہ تجھ سے اور قرآن سے استہزا کرنے والوں کو خدا نے ہلاک کیا اور وہ پانچ قبیلہ کے آدمی تھے۔ الخ۔

اور روایت کی ہے عبدالرزاق نے مصنف میں عکرمہ سے کہ رسول خدا مکہ میں پندرہ برس رہے اس میں سے چار یا پانچ برس تک اسلام کی دعوت پوشیدہ کرتے تھے اور حضرت خائف تھے۔ الخ۔

تمام ہوئیں روایتیں سیوطی کی۔ **اور صواعق** میں مذکور ہے کہ ابن ابی شیبہ نے جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں عمر نے مجھ سے کہا کہ ایک شب میری بہن کو دردزہ شروع ہوا پس میں گھر سے نکلا اور کعبہ کے پردوں میں داخل ہوا پس رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے اور حجر[1] میں داخل ہوئے پھر جس قدر خدا نے چاہا نمازیں پڑھیں اور وہاں سے پلٹے پھر میں نے ایک چیز سنی کہ مثل اس کے کبھی نہیں سنی تھی پھر حضرت باہر نکلے میں بھی حضرت کے پیچھے روانہ ہوا آپ نے فرمایا کون ہے میں نے عرض کی عمر۔ حضرت نے فرمایا اے عمر تو میری دشمنی سے نہ رات کو باز آتا ہے نہ دن کو پس میں ڈر گیا کہ ایسا نہ ہو مجھے بددعا کریں اور کہا اشهد ان لا اله الا الله و انك رسول الله۔ آپ نے فرمایا اے عمر اس کو پوشیدہ رکھ۔ میں نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق پر مبعوث کیا ہے کہ اس کو ظاہر کروں گا جس طرح سے کفر کو ظاہر کرتا تھا اور یہ امر واسطے مرد جدید الاسلام کے یعنے چھپانا اپنے ایمان کو کفار سے تازہ نہیں سمجھیں

---

[1] - حجر اسمعیل ایک دیوار کا نام ہے -

پر مسلمان نہیں ہوا ہے بلکہ مثل ہمارے کافر ہے انتہائے تقیہ ہے اور اس زیادہ کوئی تقیہ نہیں ہے ۔ لاکن حضرت عمر نے جو اسلام کو چھپانے سے انکار کیا پس یہ مخالفت حکم رسول خدا علیہ وآلہ التحیتہ والثنا کی تھی ۔ اور حیرت کی بات ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد جو فعل پہلے حضرت عمر سے صادر ہوا وہ خلاف حکم جناب رسول خدا علیہ التحیتہ والثنا صادر ہوا ۔ حضرت نے فرمایا کہ اپنے دین کو چھپا اور یہ پہلا حکم حضرتؐ کا تھا ۔ عمر فاروق نے کہا **لا** ۔ **اور چند** آدمی حضرت کے زمانہ میں ایسے تھے کہ ظاہرا حضرت پر ایمان لائے تھے اور نماز پڑھتے تھے اور روزہ رکھتے تھے اور احکام شرع کی تعمیل کرتے تھے ۔ مگر باطن میں نفاق بھرا تھا ۔ اور جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے بعض کو جانتے بھی تھے مگر عوام سے ان کے امر کو چھپاتے تھے اور ان کے نفاق کو افشا نہیں کرتے تھے ہاں بعض صحابہ خاص کو ان کے ناموں کی اطلاع دی تھی جیسے حذیفہؓ بن الیمان کو منافقین سے مطلع کیا تھا پس یہ بات بھی حضرت کی تقیہ تھی کہ حضرت کو فتنہ کا خوف تھا اور **مسلم** نے اپنی صحیح میں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا علیہ التحیتہ والثنا نے کہ میرے اصحاب میں بارہ منافقین ہیں اور ان میں آٹھ منافق ایسے ہیں کہ بہشت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نہ نکل جائے (یعنی جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے نکلنا محال ہے اسی طرح ان منافقین کا بہشت میں داخل ہونا محال ہے) اور انشاء اللہ تعالیٰ خاتمہ میں بیان ہوگا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام منافقین کے حذیفہ سے بیان فرمائے ہیں کہ فلاں وفلاں ہیں اور فرمایا کسی سے ظاہر نہ کرنا اور حدیث صحیح[1] بخاری سے جو بلفظہ خاتمہ

---

ص۱ : جلد دوم چھاپہ بمبئی ۔ صـ ۵۶، ۵۷

میں مذکور ہوگی ثابت ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ خانۂ کعبہ کو منہدم کر کے از سر نو تیار فرمائیں اور جو چیز اس سے خارج ہوگئی ہے اس میں داخل کریں اور اس میں دو دروازے بنائیں ایک شرقی دوسرا غربی اور اس کو موافق بنائے ابراہیم علیہ السلام کے کر دیں مگر یہ امر حضرت سے بسبب خوفِ انکارِ قلوب بعض اصحاب نہ ہوسکا۔ اور یہ بھی ایک قسم تقیہ کی ہے اور روایت ابن جوزی سے کہ جس کا ذکر آئندہ ہوگا۔ ثابت ہے کہ معاویہ نے حضرت سید الشہدا سبط مصطفےٰ علیہما التحیۃ والثنا سے اور عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر سے کہا کہ میں اس وقت کچھ باتیں کہوں گا اور ہرگز تم ان امور میں مجھ پر رد نہ کرنا ورنہ میں تم کو قتل کروں گا۔ پس معاویہ نے خطبہ پڑھا اور تمام لوگوں پر ظاہر کیا کہ ان چاروں آدمیوں نے یزید سے بیعت کی ہے پس کر ان لوگوں نے خاموشی اختیار کی اور خوف سے کچھ نہ کہہ سکے نہ اقرار کیا نہ انکار۔ **پس** جاننا چاہئے کہ جناب امام حسین علیہ السلام باوجود کمال قوت و شجاعت کے جس کی شجاعت کا نمونہ کربلا میں ظاہر ہوا ہے اس وقت بہ مصلحت وقت کچھ نہ فرما سکے اور بیعت یزید سے انکار نہ کر سکے۔ اور بیعت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی حضرت ابوبکر و عمر سے ایسی ہی تھی کہ لوگ کہتے تھے کہ علیؑ نے فلاں فلاں سے بیعت کی ہے آپ نہ اقرار فرماتے تھے نہ انکار۔ اور **دیلمی** نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہا علیؑ نے کہ جسکو تقیہ نہیں ہے اس کو دین نہیں ہے۔

**اور مسلم** نے اپنی صحیح میں حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے فرمایا کہ میرے آگے شمار کرو کہ کتنے آدمی مسلمان

مسلمان ہوئے ہیں ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا آپ ہمارے لئے خوف فرماتے ہیں حالانکہ ہمارا شمار مابین چھ سو اور سات سو کے ہے آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے ہو شاید تم مبتلا ہو جاؤ گے حذیفہ کہتے ہیں کہ پھر ہم دشمنوں میں مبتلا ہوئے یہاں تک نوبت پہونچی کہ ہم میں سے کوئی آدمی نماز نہیں پڑھ سکتا تھا مگر چھپا کر یہ حدیث صریح ہے کہ اصحاب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقیہ کے وقت میں پوشیدہ نماز پڑھتے تھے پس جس مومن پر ایسا وقت درپیش ہو کہ نماز بسبب خوف اعدا کے موافق کے حدود کے نہ پڑھ سکتا ہو اُسے جائز ہے کہ پوشیدہ نماز پڑھے جس طرح کہ حضرت کے اصحاب بوقت خوف نماز پڑھتے تھے۔

**اور کتاب** فتح الباری شرح صحیح بخاری میں شیخ ابن حجر عسقلانی نے عطا سے روایت کی ہے کہ ولید بن عبدالملک بن مروان نماز کو وقت سے ٹال کر پڑھتا تھا پس عطا نے نماز جمع بیٹھنے سے پہلے پڑھ لی۔ اور نماز عصر بیٹھے ہوئے اشارہ سے پڑھی اور ولید خطبہ پڑھ رہا تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ عطا نے اپنے قتل کے خوف سے اس طرح کیا ہے اور ابونعیم شیخ بخاری نے محمد بن اسمٰعیل سے روایت کی ہے کہ وہ منیٰ میں ولید کے ساتھ تھا پس انہوں نے نماز میں تاخیر کی راوی کہتا ہے میں نے سعید بن جبیر اور عطا کو دیکھا کہ دونوں بیٹھے ہوئے اشارے سے نماز پڑھتے ہیں اسی طرح فتح الباری میں ہے۔ **اور ابن** عبدالحق دہلوی ترجمہ صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ در صحیح بخاری آوردہ کہ عائشہ دو رکعت بعد از عصر می گذارد و از امام احمد روایت کردہ اند کہ می گذارد عائشہ این دو رکعت را دورن خانہ خود چوں پرسیدند چرا پنہاں می گذاری گفت از ترس مردم انتہے کلامہ۔

**اور مشکوۃ** میں بروایت صحیح مسلم مرقوم ہے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ میرے

بعد چند امام ایسے ہوں گے کہ میرے طریقہ پر ہدایت نہ کریں گے اور میری سنت پر نہ چلیں گے۔

اور ان میں چند آدمی ایسے ہوں گے کہ قلوب ان کے شیطانوں کے قلوب ہوں گے اور جسم ان کے آدمیوں کے ہوں گے حذیفہ نے عرض کی یارسول اللہ جب میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں حضرت نے فرمایا سُن اور اطاعت کر اس امیر کی اگرچہ کہ تیری پشت کو توڑ ڈالے اور تیرا مال چھین لے۔ اور حافظ ابونعیم نے حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ افسوس ہے اس امت پر بادشاہان جابر سے کہ وہ قتل کریں گے اور ڈرائیں گے مطیعان خدا کو مگر وہ شخص جو ان کی اطاعت ظاہر کرے پس مومن متقی وہ ہے جو موافقت کرے ان کی زبان سے بھاگے ان سے دل سے الحدیث اور ابن حجر ثانی نے صواعق میں لکھا ہے کہ عبدالرزاق نے حجر موذی سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے کہ علی نے مجھ سے فرمایا کہ کیا حال ہوگا تیرا جس وقت تجھے حکم کریں گے کہ مجھ پر لعنت کرے میں نے عرض کی کیا ایسا ہونے والا ہے آپ نے فرمایا ہاں میں نے عرض کی یا امیرالمومنین پھر میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ تو لعنت کر مگر دل سے مجھ سے دوری نہ اختیار کر۔ راوی کہتا ہے بعد اس کے حجاج کے بھائی محمد بن یوسف نے کہ امیر یمن تھا مجھے حکم کیا کہ علی علیہ السلام پر (معاذ اللہ) لعنت کروں پس میں نے کہا کہ امیر نے مجھے حکم کیا ہے کہ علی پر (معاذ اللہ) لعنت کروں پس لعنت کرو تم اس پر خدا اس پر لعنت کرے۔ پس کسی نے اس مطلب کو نہ پایا مگر ایک شخص نے۔ یعنی حجر نے توریہ کیا اور حقیقت میں امیر یمن پر لعنت کی اور کسی کو معلوم نہ ہوا مگر ایک آدمی کو ــــ

ابن حجر کہتا ہے کہ یہ علی کی کرامتوں سے ہے کہ غیب کی خبر دی۔

**مصنف** اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم تقیہ کی ہے کہ مجوزین تقیہ کو

جائز ہے۔ اور معلوم ہے کہ تعظیم امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر مسلمان پر واجب ہے اور لعنت کرنا آپ پر حرام اور کفر ہے بدلیل قول رسول خدا علیہ و آلہ التحیتہ والثنا کہ فرمایا ہے من سبّہ فقد سبّنی یعنے جس نے علی کو بُرا کہا اس نے مجھے بُرا کہا۔ پس امیر المومنین علیہ السلام نے ترک واجب کو مقام تقیہ پر تجویز کیا جس طرح کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی بعض اصحاب کے لئے اپنے کو سبّ کرنے کو کفار قریش کے روبرو جائز کیا تھا۔

**اور بخاری** نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خداؐ سے دو دعائیں یاد کی ہیں ایک ان میں سے تمہارے روبرو بیان کرتا ہوں مگر دوسری دعا اگر بیان کروں تو میرا گلا کاٹا جائے گا۔ اسی طرح مشکوٰۃ میں ہے اور محققین شرّاح کے نزدیک مثل ابن حجر عسقلانی وغیرہ کے مراد اس دعا سے اسمائے امرائے منافقین کا علم ہے۔ اور کتاب مسلسلات ابراہیم کردی میں ہے کہ مزنی نے تہذیب میں موسیٰ بن علبید سے نقل کی ہے وہ کہتا ہے میں نے حسن بصری سے سوال کیا کہ تم ہر حدیث میں کہتے ہو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حالانکہ تم نے آنحضرت کو نہیں دیکھا ہے حسن نے کہا اے بھتیجے تو نے ایسا سوال کیا ہے کہ کسی نے تجھ سے پہلے سوال نہیں کیا۔ اگر تیری خاطر مجھے منظور نہ ہوتی تو میں نہ بیان کرتا تو جانتا ہے کہ میں حجاج کے زمانے میں ہوں پس جو حدیثیں میں نے علی سے سنی ہیں میں کہتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کیونکہ مجھ میں طاقت نہیں کہ علی کا ذکر کروں پس دیکھنا چاہیے اس تقیہ کو کہ حسن بصری حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے کوئی حدیث

روایت نہیں کر سکتے تھے۔ اور سیوطی تفسیر درِ منثور میں لکھتے ہیں کہ عبدالرزاق نے اور عبد بن حمید نے اور ابن منذر نے اور ابن ابی حاتم نے قتادہ سے تفسیر میں قول تعالے لرادک الی معاد کے روایت کی ہے کہ یہ آیہ ان چیزوں سے ہے جن کی تفسیر ابن عباس چھپاتے تھے انتہے۔ اور پھر سیوطی نے لکھا ہے کہ ابن ابی حاتم نے نعیم قاری سے تفسیر میں اس آیت کی روایت کی ہے کہ مراد معاد سے بیت المقدس ہے انتہے۔ اور یہ آیت بعد ہجرت کے نازل ہوئی ہے جیسا کہ سیوطی نے ذکر کیا ہے۔ اور معراج حضرت کی قبل ہجرت تھی پس اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ آیت بیان رجعت میں آنحضرت کے نازل ہوئی ہے کہ وہ حضرت رجعت میں بیت المقدس تشریف لائیں گے۔ اسی لئے ابن عباس تفسیر اس آیت کی غیر اہل سے چھپاتے تھے اور یہی تقیہ ہے اور اسی امر کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو بطریق اہل بیت علیہم السلام مروی ہے کہ حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نے تفسیر میں آیہ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد کے فرمایا ہے کہ رجوع کریں گے تمہاری طرف رجعت میں نبی تمہارے (اور ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ بہ تحقیق کہ جس نے تجھ پر قرآن کا حکم فرض کیا ہے البتہ تجھے پھیرنے والا ہے معاد کی طرف) اور ابو عبداللہ علیہ السلام سے جابر بن عبداللہ کا حال پوچھا گیا تو فرمایا کہ خدا جابر پر رحم کرے کہ ہمارے فقیہوں میں سے تھا اور اس آیت کی تاویل جانتا تھا — اور قتادہ نے جو کہا ہے کہ یہ آیت ان چیزوں سے ہے جن کو ابن عباس چھپاتے تھے۔ یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کئی چیزیں علوم دین کی بہ سبب خوف مخالفین کے چھپاتے تھے کہ بعض ان میں سے تفسیر اس آیت کی ہے چنانچہ بداہۃً یہ امر ظاہر ہے اور

جاننا چاہیئے کہ پہلے ہم نے ثابت کیا ہے کہ انس بن مالک کبھی تو کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر و عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم جہر سے پڑھتے تھے اور کبھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہی نہ تھے پس اگر اس قول کو محمول علی التقیہ کریں تو اہل سنت کے لئے اولیٰ ہے محمول علی الکذب والافترا کرنے سے بہ نسبت انس کے — اور ان دونوں روایتوں سے کونسی روایت محمول علی التقیہ ہوگی آیا وہ روایت جو شیعہ کے موافق ہے یا وہ جو شیعہ کے مخالف ہے۔ اور انس سے تسمیہ کے جہر و اسرار کا حال پوچھا گیا تو جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ اور طوسی کہتے ہیں کہ روایت میں وارد ہے کہ انس سے کہا گیا کہ تم سے آدمی کو سزاوار نہیں کہ کہیں میں نے اس مسئلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے کچھ نہیں سنا۔ انس نے جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو معاویہ ہمیشہ درپے ہے اس امر کا کہ علی اور تابعان علی کو ہلاک کرے۔

اور سابق میں بتصریح امام رازی و صاحب تلویح بیان ہوا ہے کہ حضرت امیرالمومنین و قاتل المشرکین و منافقین علیہ السلام تسمیہ کے جہر میں کوشش فرماتے تھے اور جب دولت بنی امیہ کو پہونچی تو انہوں نے جہر کے منع کرنے میں کوشش کی تا آثار امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹ جائیں۔ پس انس بن مالک نے ان سے خوف کرکے تقیہ کیا اسی لئے اقوال انس کے اس مسئلہ میں مضطرب اور مختلف ہیں۔ مصنف کتاب ہٰذا قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ مسائل شیعہ میں اور مسائل مخالفین میں اختلاف کا یہی باعث ہے کہ مسائل شیعہ مستنبط ہیں روایات علی و باقی اہل بیت علیہم السلام سے اور مسائل مخالفین مبنی ہیں روایات اعدائے اہل بیت پر کہ وہ ہمیشہ آثار اہل بیت کے مٹا دینے کے درپے تھے۔

اور ابن حجر صواعق میں لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں جس کی تصحیح حاکم نے بشرط
شیخین کے وارد ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ستارے بچاتے
ہیں اہل زمین کو ڈوبنے سے اور میرے اہل بیت بچاتے ہیں میری امت کو اختلاف سے
پس اگر کوئی قبیلہ میرے اہل بیت سے خلاف کرے تو اس قبیلہ کے لوگ مختلف ہو جائیں گے
اور ہو جائیں گے گروہ شیطان انتہٰی اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں عبدالملک
بن عطیہ عوفی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں زید بن ارقم کے پاس آیا اور کہا کہ میرے
ماموں نے تم سے ایک حدیث نقل کی ہے علی کی شان میں بروز جحفہ۔ میں چاہتا ہوں وہ
حدیث تم سے سنوں زید نے کہا تم میں وہ ہے جو کہ ہے میں نے کہا کہ میرے سبب سے تم کچھ
خوف نہ کرو زید نے کہا ہم ایک روز جحفہ میں تھے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ باہر
تشریف لائے پھر زید نے حدیث کا ذکر کیا جو آئندہ بیان ہوگی (اس روایت سے تقیہ کرنا
زید بن ارقم کا ثابت ہے) اور مسلم نے اپنی صحیح میں مطرف سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے
کہ عمران بن حصین نے مرض الموت میں مجھے بلوا بھیجا اور کہا کہ میں نے تجھ سے کئی حدیثیں بیان
کی ہیں کہ شاید خداوند عالم بہ سبب ان احادیث کے بعد میرے تجھے فائدہ پہونچائے پس اگر
میں زندہ رہوں تو ان حدیثوں کو میری جانب سے پوشیدہ رکھ اور اگر میں مرجاؤں تو
بیان کر اگر تیرا جی چاہے۔ اور جان تو تحقیق کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اور
عمرے کو ملا دیا پھر اس بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور نہ جناب رسول خدا نے
اس سے نہی فرمائی مگر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا اور دوسری روایت میں ہے
کہ عمر نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔ چنانچہ حجۃ خامسہ میں اس کا ذکر آئے گا اور ایضاً

یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا کہ حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ اس کا حکم فرماتے تھے اور حضرت عثمان اس سے منع کرتے تھے۔

**یہ روایتیں** دلالت کرتی ہیں اس امر پر کہ صحابہ افعال اور اقوال میں تقیہ کرتے تھے۔ اور جس میں حقیقتِ حق ہو وہ حدیث بہ سبب خوف کے بیان نہیں کرتے تھے مگر پوشیدہ (یعنی خاص لوگوں سے بیان کرتے تھے) اور اپنے شاگردوں کو وصیت کرتے تھے کہ جب کسی سے حق کا ذکر کرو اور اس کی حدیث بیان کرو تو اس کے پوشیدہ رکھنے کا حکم کرو۔ **الحاصل** تقیہ روایات صحابہ میں ثابت ہے اور وہ روایتیں بہت سی ہیں جن کا ذکر یہاں دشوار ہے جو شخص تتبع روایات کرتا ہے اس پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور جو احادیث کتب اہل سنت میں صحابہ سے مروی ہیں اور آپس میں متخالف اور متعارض ہیں۔ ان میں جمع اور موافقت کرنا ممکن ہی نہیں ہے بغیر اس صورت کے کہ ان کو محمول علی التقیہ کریں یا وہ احادیث جو شیعہ کے مخالف ہیں ان کے موضوع ہونے کا اقرار کریں کیونکہ جو حدیثیں شیعہ کے موافق ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں مرقوم ہیں وہ متفق علیہ فریقین ہیں اور تحقیق و انصاف کرنے والا ان احادیث متفق علیہا فریقین کے موضوع ہونے کا حکم ہرگز نہ کرے گا۔ اور تحقیق اس مقام میں یہ ہے کہ اہل سنت کی حدیثوں میں تقیہ بھی موجود ہے اور وضع بھی ہے تقیہ تو صحابہ صالحین کے روایات میں ہے اور وضع بغیر ان کے عوام کی روایتوں میں ہے۔ **جاننا چاہیے** کہ تقیہ روایات میں اس طرح ہوتا ہے کہ بہ سبب خوف کے مخالفین کی روایتوں کو بیان کریں۔ حالانکہ اس کے بطلان کو جانتے ہوں اور تقیہ عمل میں اس طرح ہے کہ اہل خلاف کے عمل میں موافقت کریں ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے۔

(مترجم کہتا ہے کہ تقیہ کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے اور کئی آیتوں سے

ثبوت اس کا ہوتا ہے چنانچہ خدا تعالے نے فرمایا ہے لا یتخذ المومنون الکافرین[1]

اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئی الا

ان تتقوا منہم تقٰۃً یعنے چاہیئے کہ نہ بنائیں مومنین کافروں کو دوست بغیر مومنین

کے اور جو ایسا کرے گا وہ نہیں ہے خدا سے کسی شئے میں یعنی خدا کی دوستی سے کچھ اسے

حصہ نہیں ہے مگر یہ کہ بچو تم ان کفار سے بچنا۔ اس آیت میں مجاہد نے اور یعقوب نے

تقٰۃً کی جگہ تقیۃً پڑھا ہے چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں تحت میں الا ان

تتقوا منہم تقٰۃً کے لکھا ہے یعنے الا ان تخافوا منہم مخافۃً وقرء مجاہد ویعقوب

تقیۃً علے وزن بقیہ ——

بہر حال ان دونوں قراءتوں سے تقیہ ثابت ہے اس لئے کہ اگر تقیۃً پڑھا

جائے تو اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مومنین کافروں سے دوستی نہ کریں مگر

اپنے کو بچانے کے لئے دوستی کریں یعنے اگر کفار سے کسی طرح کا خوف ہو تو ان سے دوستی

ظاہر کر سکتے ہیں تاکہ ان کے ظلم سے بچیں اور یہی تقیہ ہے کیونکہ تقیہ اس کو کہتے ہیں کہ

افعال یا اقوال میں اس گروہ کی موافقت کریں جن سے خوف رکھتے ہوں اور دل مطمئن

ہو اور اپنے اعتقاد پر قائم ہو چنانچہ مصنف کتاب نے بیان فرما دیا ہے اور احقر نے جو

کہا کہ بقراءت تقٰۃً بھی تقیہ ثابت ہے اس لئے کہ تقٰۃً اور تقیہ کے ایک معنے ہیں۔

---

[1] جزو ۳ سورہ آل عمران

چنانچہ کتب لغت سے ظاہر ہے اور احقر اپنے اس دعوے پر ایک اور دلیل قوی پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ **صحیح بخاری** کی کتاب الاکراہ میں تفسیر میں الّا ان تتقوا منہم تقٰۃً لکھا ہے وہی تقیۃً یعنی تقٰۃً بمعنی تقیہ کے ہے **اور اگر تقیۃً** آیہ مذکور میں پڑھا جائے تو اس وقت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مومنین کفار سے دوستی نہ کریں مگر بہ وقت تقیہ کیے دوستی کریں۔ **پس** حاصل دونوں قراتوں سے ایک ہی ہے اور **فخر رازی** تفسیر کبیر میں قول حسن بصری کا کہ انہوں نے کہا ہے کہ التقیّۃ الی یوم القیامہ بیان کرکے کہتے ہیں کہ یہ قول بہتر ہے اس لئے کہ رفع ضرر اپنے نفس سے **حتی الامکان واجب ہے** **اور دوسری آیت** جس سے تقیّہ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الّا من اکرہ وقلبہ مطمئنٌ بالایمان یعنی جو شخص کہ کفر کرے ساتھ خدا کے بعد ایمان لانے کے مگر وہ شخص کہ مجبور ہو کفر کا کلمہ کہنے پر اور دل اس کا مطمئن ہو اور ثابت ہو ساتھ ایمان کے ــ اس آیۂ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ حالت خوف میں مجبوراً کلمہ خلاف اعتقاد کہہ سکتے ہیں اور یہ عین تقیّہ ہے۔ **اور تفسیر** معالم التنزیل میں تحت میں اس آیۂ شریفہ کے مرقوم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ میں کفار بنی مغیرہ نے عمار کو پکڑ لیا اور کنوئیں میں قید کیا کہ اور کہا کہ کفر کر ساتھ محمدؐ کے پس عمار نے مجبوراً ان کی تابعت کی مگر دل عمار کا مطمئن ایمان سے تھا۔ اس کی خبر حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی کہ عمار کافر ہو گیا حضرت نے

---

لہ جزو ۱۴ سورۃ النحل ع ۲ ص ۵۱۲

فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ عمّار کے گوشت اور خون میں ایمان بھرا ہوا ہے پھر عمّار حضرت کے خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے لگے اور عرض کی کہ میں نے آپ کی نسبت میں کفر کا کلمہ کہا ہے مگر دل سے نہیں کہا ہے کفار کے ظلم سے یہ تقصیر ہوئی۔ حضرت نے عمار کو دلاسا دیا اور فرمایا کہ اگر پھر کبھی کفار تجھ پر ظلم کر کے یہ کلمہ کہلائیں تو پھر کہہ دینا پس یہ آیت نازل ہوئی انتہے۔ اب کہاں ہیں منصفین ذرا غور کریں اور انصاف فرمائیں کہ خدا اور رسول نے کس طرح کلمہ کفر زبان پر جاری کرنے کو بہ وقت خوف کے جائز کر دیا ہے پھر یہ تقیّہ نہیں تو اور کیا ہے پس باوجود اس کے کہ حکم تقیہ قرآن میں موجود ہے اور حدیث نبوی سے ثابت ہے پھر اگر کوئی تقیّہ پر اعتراض کرے تو ظاہر ہوگا کہ اس شخص کو نہ قرآن پر اعتقاد ہے اور نہ حدیث پر اور نہ وہ خدا کے فرمانے کو مانتا ہے اور نہ رسول خدا کے ارشاد کو اور سوائے ان دو آیتوں کے اور بھی کئی آیتیں ہیں جن سے تقیّہ ثابت ہوتا ہے احقر نے اسی پر اکتفا کیا ہے من لا یکفیہ الیسیر لا یکفیہ الکثیر

اور صحیح بخاری کی کتاب الکراہ میں مرقوم ہے د قال الحسن التقیّہ الی یوم القیامہ یعنی کہا حسن بصری نے کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے)

**نویں برہان** اثبات میں اس امر کے ہے کہ بعض صحابہ نے جو نماز کہ پیچھے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑھتے تھے اس کو ضائع کیا اس کی سنتوں کو ترک کیا اور اس میں بدعتیں کیں۔ بخاری نے اپنی صحیح[۲] میں کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں

---

[۱] جلد ہشتم صفحہ ۲۰ - جلد اول صہ ۵۲ چھاپہ بمبئی۔

انس سے روایت کی ہے کہا انس نے میں نہیں پہچانتا ہوں کسی شئے کو ان اشیا سے جو جناب رسولؐ خدا کے عہد میں تھے (یعنے جو امور حضرتؐ کے زمانے میں تھے ان میں سے کوئی امر اپنے حال پر باقی نہ رہا) کسی نے کہا کہ نماز تو باقی ہے انس نے کہا کہ تم نے نماز میں کیا کچھ نہیں کیا ہے (یعنے بدعتیں کی ہیں اور دوسرے نسخہ میں کہ آیا تم نے نماز کو ضائع نہیں کیا ہے) اور نیز اسی کتاب میں زہری سے منقول ہے وہ کہتا ہے کہ میں دمشق میں انس بن مالک کے پاس گیا دیکھا کہ انس رو رہے ہیں میں نے پوچھا تم کیوں روتے ہو انس نے کہا میں کسی چیز کو اب نہیں پہچانتا ان چیزوں سے جن کو میں نے پایا ہے الّا یہ نماز اور یہ نماز بھی ضائع کی گئی ہے۔ انتہےٰ بعض لوگ کہتے ہیں چونکہ آدمی نماز کو وقت سے ٹال کر پڑھتے تھے اس لئے انس نے اس طرح کہا حالانکہ تخصیص اس امر کی انس کے قول میں نہیں ہے بلکہ ظاہر قول انس کا دلالت کرتا ہے مطلق نماز کے ضائع کرنے پر۔ اور ان امور میں جن سے نماز ضائع ہوئی ہے تاخیر وقت بھی ہوگی۔ اور ناظرین عاقلین کو سابق میں احادیث صحاح وغیرہ سے معلوم ہوگیا ہے کہ حضرت عمر و عثمان کے وقت سے نماز میں بدعتیں شروع ہوئی اور سنتیں ضائع ہوئی ہیں۔

**چنانچہ** اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کو شریک کیا اور حی علیٰ خیر العمل کو ساقط کیا اور سوائے تکبیرۃ الاحرام کے کل تکبیریں نماز سے ساقط کی گئیں پس ہر دو رکعتی نماز سے گیارہ تکبیریں اور تین رکعتی نماز سے سولہ تکبیریں اور ہر چار رکعتی نماز سے اکیس تکبیریں ساقط ہوتیں۔ اور رفع یدین کو ہر تکبیر کے وقت ترک کیا۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ہر نماز میں چار مقام سے نکال ڈالا۔ اور اگر بعض نے اس کو پڑھا بھی ہے تو اخفات سے

اور جہر سے پڑھنا جو مشروع ہے چنانچہ سابق میں ثابت کیا گیا ہے موقوف کیا۔ اور ہر نماز سے قنوت کو ترک کیا +

(مترجم کہتا ہے کہ ان کے بعد امام اعظم نے تو نماز کا خاتمہ ہی کر دیا کہ وہ نماز بچوں کے کھیل سے بدتر ہو گئی بلکہ ایسی نماز جو امام اعظم صاحب کے فتوے کے موافق ہے اسے نماز کہتے ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ نماز قابل مضحکہ ہو گئی ہے)

**اور بخاری** نے اپنی صحیح میں مطرف سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے علی ابن ابی طالب کے پیچھے نماز پڑھی پس علیؑ جب سجدہ کرتے تھے تکبیر کہتے تھے اور جب سر اٹھاتے تھے تکبیر کہتے تھے اور جب رکعتوں سے جھکتے تھے تکبیر کہتے تھے۔ جب نماز تمام ہوئی تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ علی نے مجھے نماز جناب رسول خداؐ کی یاد دلائی۔ انتہے یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس امر کہ لوگ اس وقت تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو بھول گئے تھے۔ اور کیونکر نہ بھولیں کہ حضرت کے بعد ہمیشہ ایسی نمازیں پڑھتے تھے جس میں خلفاء نے بدعتیں کی تھیں۔ اور اس سے صریح تر وہ حدیث بیان کرتا ہوں جس میں یہ اعتراف صحابہ ثابت ہے کہ صحابہ نے نماز کو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترک کر دیا عمداً **شیخ ابن حجر عسقلانی** نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ روایت کی ہے احمد اور طحاوی نے باسناد صحیح ابو موسیٰ اشعری سے وہ کہتا ہے کہ علی نے وہ نماز ہمیں یاد دلائی جو ہم رسول خداؐ کے پیچھے پڑھتے تھے۔ پھر ہم تو یا اسے بھول گئے یا عمداً ہم نے اسے ترک کیا۔ انتہے۔ اور یہ بات بداہۃً معلوم ہے کہ جب آدمی نماز پڑھنے کی عادت موافق اس کے حدود کے رکھے اور اس کے واجبات

اور مسنونات برابر بجا لاتا ہے تو وہ ہرگز اسے نہ بھولے گا پس اس سے ثابت ہے کہ

کہ ابو موسیٰ نے جو کہا کہ یا ہم اسے بھول گئے یہ قول غلط ہے حق یہ ہے کہ اسکے حدود کو

عمداً ترک کیا چنانچہ اس کا بھی اعتراف کیا ہے۔ اور سبب اس کا یعنے نماز کے حدود ترک

کرنے کا یہ ہے کہ خلفائے غیر مستحقین کی متابعت کی اور اہلِ بیتِ نبوی کی پیروی چھوڑ دی۔

پس جب خداوندِ عالم بہ روز حساب اس کا سوال ان لوگوں سے کرے گا تو نہیں معلوم

کیا جواب دیں گے۔ افسوس ہے کہ دنیائے دو روزہ کے لئے اور دولت فانیہ کے واسطے

دین سے ہاتھ اٹھایا اور حق کو چھوڑ دیا اور باطل کو اختیار کیا۔

**اور دیلمی** نے مسند الفردوس میں ابن عمر سے روایت کی ہے کہ فرمایا۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ علم بھی دین ہے اور نماز بھی دین ہے پس دیکھو تم کہ

کس شخص سے اس علم کو حاصل کرتے ہو اور کس طرح سے یہ نماز بجا لاتے ہو یہ تحقیق کہ تم قیامت

کے روز پوچھے جاؤ گے۔ تمام ہوئی دوسری حجۃ والحمد للہ رب العالمین۔

---

المرقوم ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ در بھونگیر بسلم

بقلم:۔ السید فیض حسین مترجم کتابِ ہذا